مولانا مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" پر
کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت کی روشنی میں اصولی تبصرہ!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

اور

اُن پر تنقید؟

از:
حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب مدظلہ

ناشر: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان فون: 40501

صحابۂ کرامؓ
اور
اُن پر تنقید؟

مولانا مودودی کی کتاب "خلافت وملوکیت" پر
کتاب وسنت اور اجماع اُمت کی روشنی میں اصولی تبصرہ

مع ضمیمہ:

مولانا امین احسن اصلاحی کے ایک مضمون کا بے لاگ جائزہ!

تحریر
مولانا محمد عبداللہ صاحب
احمد پور شرقیہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ○ ملتان

نام کتاب ـــــــــــ صحابہ کرام اور اُن پر تنقید؟
مصنف ـــــــــــ مولانا محمد عبداللہ صاحب
با اهتمام ـــــــــــ محمد خالد خان
ناشر ـــــــــــ ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان
تعداد ـــــــــــ ایک ھزار
کتابت ـــــــــــ عبدالشکور
طبع اول ـــــــــــ ۱۳۹۰ھ
طبع ثانی ـــــــــــ ۱۴۱۰ھ
طبع ثالث ـــــــــــ ۱۴۱۴ھ

ملنے کے پتے

ادارۂ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
مجلس احرار اسلام گنگن روڈ۔ احمد پور شرقیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

قارئین کرام! یہ کتاب جو اسوقت آپ کے ہاتھوں میں ہے کم وبیش بائیس سال پہلے تصنیف ہوئی اور سنہ ۱۹۷۰ء میں طبع ہوئی. علمی حلقوں میں اسکی پذیرائی توقع سے کہیں زیادہ ہوئی. مختلف علمی رسائل میں اس پر تبصرے بھی شائع ہوئے. نیجتاً بہت تھوڑی مدت میں یہ کتاب بازار میں ختم ہوگئی. بہت سے احباب خود حضرتِ مصنف مدظلہٗ سے کتاب طلب کرتے رہے مگر اُن کے پاس صرف ایک نسخہ رہ گیا تھا جس کے بارے میں وہ "لا تُعَارُ وَلا تُبَاعُ" کہہ کر اُنہیں ٹال دیتے۔

طبع ثانی کے بارے میں حضرت مصنف مدظلہٗ کا خیال تھا کہ اس کتاب میں کچھ تو اپنوں کے مشوروں، کچھ دوسروں کے ناقدانہ تبصروں اور اعتراضات کو مدِنظر رکھ کر حسبِ ضرورت اضافہ کر لیا جائے گا، احباب کے مشورے بیشک موصول ہوئے مگر جو لوگ مولانا مودودی ا کے ضرورت سے زیادہ قدردان اور انکے قلم سے نکلی ہوئی ہر بات کو "وحی خفی" کا درجہ دیتے ہیں انکی طرف سے کوئی ایسی تنقید سامنے نہیں آئی جو اضافہ یا ترمیم کا باعث بنتی۔ ان لوگوں کا "علمی حدودِ اربعہ" اردو تراجم تک پہنچتا ہے۔ تاریخی کتابوں کو دیکھ کر وہ تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے تو کچھ نہ کچھ رائے زنی کر لیتے ہیں، جہاں تک حضراتِ صحابہ کرامؓ کے بارے میں کتاب و سنت اور عقائد اہلسنت کی روشنی میں اصولی توقف کا سوال ہے اس لحاظ سے انکی معلومات انکے نظریات کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں

پیشِ نظر کتاب میں تمام تر استدلال شرعی ماخذ یعنی کتاب و سنت اور علم عقائد کی مستند کتب پر مبنی ہے۔ تاریخی زاویہ نگاہ سے نہ تو بحث کا دروازہ کھولا گیا ہے اور نہ کسی "جماعتیے" یا "غیر جماعتیے" کو لے دے کا موقعہ ملا۔ بہرحال اس قسم کی کوئی چیز سامنے نہ آنے کی وجہ سے اس کتاب میں کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

ایک طویل عرصہ تک اس کتاب کی طباعت (ثانی) چند وجوہ کی بنا پر تعطل کا شکار رہی، میرے بار بار تقاضے پر حضرت مصنف مدظلہ یا تو خاموش ہو جاتے یا وقتی تقاضوں کا عذر پیش کرتے اِن

دوران میرے بعض مخلص احباب نے میری حوصلہ افزائی کی اور میں خود اس کتاب کی اشاعت پر کمربستہ ہوگیا۔ یہاں اس امر کا اظہار کرنا نامناسب ہوگا کہ نشر و اشاعت کے سلسلہ میں مجھے اس سے قبل کوئی تجربہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور میری مشکل آسان ہوئی۔ میرے مہربان بزرگ حافظ محمد اسحاق صاحب مدظلہ مالکِ "ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ ملتان" نے پورا پورا تعاون فرمایا اور اس طرح یہ ناچیز کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے کے قابل ہو سکا۔

ماضی قریب میں پنجاب کے دارالحکومت سے ایک اور مصنّف کا ظہور ہوا جس کی اُٹھان خطرے سے خالی نہیں۔ انجام خدا جانے۔ " ولعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔"

میری مراد جناب جاوید احمد الغامدی سے ہے۔ انکی کتاب "میزان" چند سال قبل مارکیٹ میں آئی ہے۔ اس کتاب کے ایک مضمون (جو دراصل غامدی صاحب کے استاذ مولوی امین احسن اصلاحی صاحب کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے) میں ایک صحابی رضؓ اور ایک صحابیہ رضؓ کے بارے میں دِل کھول کر ہرزہ سرائی کی گئی ہے۔ ہمارے مولانا نے اس سلسلہ میں ایک مختصر مقالہ تحریر فرمایا تھا جو ماہنامہ "نقیبِ ختمِ نبوّت" ملتان کے شمارہ ماہ ربیع الثانی، جمادی الاوّل سنہ ۱۴۰۹ھ بمطابق نومبر، دسمبر سنہ ۱۹۸۸ء میں بعنوان "قلمی بے راہ روی کا ایک نمونہ" دو قسطوں میں شائع ہوا۔ میں نے مناسب خیال کیا کہ اس مقالہ کو بھی اس کتاب کے آخر میں بطورِ ضمیمہ نمبر۲ شامل کر دیا جائے تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ "بعضِ صحابہ رضؓ" کس طرح زورِ انشاء کے تحت بھیس بدل بدل کر نئی نسل کے دین و ایمان پر ڈاکے ڈال رہا ہے۔

ہم گنہگار ربِ ذوالجلال کے حُضور دستِ بدعا ہیں کہ وہ ہمیں حضراتِ صحابہ کرام رضؓ کی محبت پر زندہ رکھے اور اسی پر خاتمہ ہو ـــــــ آمین!

ابوعبدالرحمٰن محمد خالد (بارک زئی)

تعارف

پیشِ نظر کتاب کا موضوع اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ رفتارِ زمانہ کے ساتھ دین میں جو کتر بیونت ہوتی چلی آئی ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر تنقید کے جواز یا عدمِ جواز کا مسئلہ ہے۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک تیرہ صدیوں میں اہلِ سنت والجماعت میں اس مسئلے کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ سب یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا ذکر بھلائی کے بغیر ہرگز نہ کیا جائے لیکن حال ہی میں بعض نامور مصنفین نے صحابہؓ حتیٰ کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر نقد ونظر اور محاسبہ ومباحثہ کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ مصر کے سید قطب نے اپنی تصنیف العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام (جس کا ترجمہ ہمارے ہاں "اسلام کا نظامِ عدل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے) میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے کرتے اُن کے خلیفۂ راشد ہونے تک کا انکار کر دیا ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ ایک قاری یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ وہ بارگاہِ رسالت کے کوئی مقرب صحابی ہیں جنہیں سیفٌ من سُیُوف اللہ کے عظیم لقب سے نوازا گیا تھا بلکہ معاذ اللہ ان کی شخصیت ایک عیاش اور عیار جرنیل کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔

ہمارے ہاں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے قریب قریب سید موصوف ہی کے خیالات کا چربہ اتار کر "خلافت وملوکیت" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس کے اب تک کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں اہل سنت والجماعت کے عقائد کو اس سے زبردست ٹھیس لگی۔ اہلِ قلم نے اس کا محاسبہ شروع کیا۔ اس کے کئی جوابات اب تک مارکیٹ میں آ چکے ہیں، لیکن ان میں سے بعض کتابیں ایسی، جو اپنے زورِ بیان اور قوتِ استدلال کے باوجود سنجیدہ حلقوں میں زیادہ مقبول نہیں ہو سکیں۔ پیشِ نظر کتاب اُن نقائص سے خالی ہے جو دوسری کتابوں کی مقبولیت میں کمی کا باعث ہوئیں۔

یہ کتاب، جیسا کہ فاضل مصنف نے خود ہی فرمایا ہے، "خلافت و ملوکیت" کا کوئی مکمل جواب نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک اصولی بحث ہے جس کے بعد صحابہ کرامؓ پر کئے جانے والے اعتراضات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ اِس کا اندازِ تحریر سادہ، مگر دلچسپ؛ مختصر، مگر جامع؛ زور دار، مگر سنجیدہ ہے۔ بالخصوص "الصحابۃ عدول" کے مسئلہ پر نہایت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

وطنِ عزیز اِس وقت جس منجدھار سے گذر رہا ہے، اُس کے پیشِ نظر ممکن ہے کہ بعض دوستوں کو اِس قسم کے مباحث میں پڑنے پر اعتراض ہو لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو لوگ سب سے زیادہ حالات کی نزاکت کا واسطہ دے کر دوسروں کو خاموش کرنے کی سعی فرماتے ہیں وہ خود خاموش نہیں ہوتے خود ماہنامہ ترجمان القرآن کے اوراق ابھی تک ان مباحث سے سیاہ ہو رہے ہیں ؎

مشکلے دارم ز دانشمندِ مجلس باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر مے کنند؟

علاوہ ازیں ہمارے پیشِ نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان بھی ہے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں نقل فرمایا ہے۔ اُس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"جب بدعتیں اور فتنے نمودار ہونے لگیں اور میرے اصحابؓ کو بُرا بھلا کہا جانے لگے تو اہلِ علم پر واجب ہے کہ وہ اپنے صحیح علم کو پیش کریں اور جو عالم ایسا نہ کرے گا اس پر خدا اور تمام بندوں کی لعنت پڑے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا نیک عمل طاعت و صدقہ قبول نہ فرمائے گا۔"

اللہ کے کچھ بندے تو آخر اس کام کو سرانجام دینے والے ہوں تاکہ فرضِ کفایہ ادا ہو جائے۔ بہرحال مصنف اور ناشر کی مساعی آپ کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شرفِ قبول بخشے۔ (آمین)

عبدالرشید ارشد

فہرست مضامین

تقریظ
درخواست بہ بارگاہِ ایزدی
پیش لفظ ۵
مولانا مودودی کی کتاب کے چند ۹
اقتباسات
ہماری گذارشات
رسول اللہ کی خاطر آپ صحابہؓ کا پاس کیجئے ۱۲
صحابہؓ کو اپنی تحقیقات کا نشانہ بنا کر ۱۴
رسول اللہؐ کو دکھ نہ پہنچایئے۔
صحابہ کے بارہ میں زبان اور قلم کو قابو ۱۶
میں رکھئے۔
صحابہؓ پر اعتراض کر کے اللہ کو ناراض ۱۷
نہ کیجئے
مرنے کے بعد عام مسلمانوں کی بھی برائی کرنا ۱۹
ممنوع ہے چہ جائیکہ صحابہؓ
آپ صحابہؓ پر بطور افسر تعینات نہیں ہوئے اس ۲۱
لیے آپ ان کی غلطیاں نہ نکالئے
رسول اللہؐ کو صحابہؓ کی شکایت سننا گوارا ۲۲
نہیں ہیں یہ مشغلہ بند کیجئے۔
صحابہؓ پر اعتراضات کا دروازہ بند کیجئے ۲۳
صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں ۲۵
نفرت نہ پیدا کیجئے
تاریخی خرافات کو کتاب و سنت پر ۲۷
ترجیح نہ دیجئے۔
اپنا اندازِ بیان تبدیل کیجئے ۲۹
اپنا اندازِ فکر تبدیل کیجئے۔ ۳۱
مولانا مودودی کے بارہ میں ایک اندیشہ ۳۷
مولانا کے بعض نظریات حدیث سے ۴۰
ٹکراتے ہیں۔
ا۔ کیا حضرت عثمانؓ کی پالیسی غلط تھی
ب۔ کیا حضرت عثمانؓ نے ناجائز اقربا
نوازی کی؟

ج۔ کیا حضرت علیؓ غلط کار ہیں ؟
د۔ صحابہؓ کی لغزشوں کے بارے
میں دین کا مطالبہ
سنگ دلی کی انتہا ۶۳
خیالات کا طرفہ معجون ۶۶
الصحابۃ کلھم عدول" کی بحث علمائے امت ۷۱
کی تصریحات
مولانا مودودی کا ایک مغالطہ اور ۸۱
اس کا جواب
خلافتِ راشدہ کی ایک امتیازی خصوصیت ۸۹
مولانا کا عجیب وغریب علمی تفرُّد ۹۱
مولاناؒ کی لن ترانیاں اور ان کا جواب ۵
سیدنا معاویہؓ پر الزام کی غلطی ۰۳
مولانا کی چند علمی غلطیاں ۱۰
ایک قابلِ غور نکتہ ۱۴
مولانا مودودی کے لیے لمحۂ فکریہ ۱۵
ایک درسِ عبرت ۱۱۶
ایک عام اعتراض اور اس کا جواب ۱۱۸
مولانا مودودی اور حکمتِ عملی ۱۲۴
گر تو برا نہ مانے ۱۲۹
آخری التماس ۱۳۴
ماخذ کتاب ہذا ۱۳۶
ضمیمہ از ۱۳۷ تا ۱۵۸
قلمی بے راہ روی کا ایک نیا نمونہ صفحہ ۱۵۹ تا آخر

تقریظ

از علامۃ الزماں حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب افغانی
دامت برکاتہم شیخ التفسیر، جامعہ اسلامیہ بہاولپور

صحابہ کرامؓ اور ان پر تنقید؟

تالیف: مولانا محمد عبد اللہ صاحب احمد پور شرقیہ ،

یہ کتاب، مولانا مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" پر تبصرہ ہے۔ یہ تبصرہ مدلل ہے اور موجودہ حالات میں اس کی شدید ضرورت تھی۔

دین خداوندی اور اہل دین کے درمیان بسلسلہ ابلاغ دین بنیادی واسطے دو ہیں، ایک ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوم' آپ کے شاگردان مقبول عند اللہ جن پر رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کا حکم الٰہی قرآنی شاہد ہے۔ ان دو واسطوں میں سے اگر ایک واسطہ سے بھی عقیدت اور اعتماد میں فرق آگیا تو استحکام دین کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس وقت جب کہ مغربی الحاد کے سیلاب اور مستشرقینِ یورپ کی تالیفات اور مغربی طرزِ عمل سے اسلامی ذہنیت کافی متزلزل ہو چکی ہے جس کی وجہ سے دل و دماغ پر اسلامی عقائد کی گرفت پہلے سے کمزور ہو چکی ہے اور یہی کمزوری یورپ کی تصنیفی مساعی اور تعلیمی مقاصد کا اصلی نصب العین ہے، تو ان حالات میں مجھے بے حد تعجب ہے کہ مولانا مودودی صاحب، جو دورِ حاضر میں اسلام کی

سربلندی کے مدعی ہیں نے کس غرض کے تحت اہتمام کے ساتھ مشکوک ذخائرِ تاریخ میں سے متفرق ضمنی امور کو صحیح یا ضعیف روایات میں سے چُن چُن کر اپنے زورِ قلم سے یک جا کر کے مرتّب شکل میں اور ایک تحریک کا رنگ دے کر کتابی صورت میں شائع کیا۔ اور کیا وہ غرض اتنی اہم تھی کہ اُن مفاسدِ دینیہ کو برداشت کر لیا گیا جو اس کتاب کی اشاعت کا لازمی نتیجہ ہیں؟ کیا اس کتاب سے فتنہ الحاد و استشراق و تشیع کو تقویت نہیں ہوئی؟ اور یورپ کی نصب العین کی تکمیل کا سامان فراہم نہیں ہوا؟ ——— اور کیا خدا وند تعالیٰ کو آپ کے بیان کردہ عیوبِ صحابہؓ پر نظر نہ تھی کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرما کر بلند ترین تمغہ رضائے الٰہی اُن کو عطا کیا تھا؟ یہی راز ہے کہ سلف صالحین نے مشاجراتِ صحابہؓ میں کفِ لسان کی تاکید اکید فرمائی۔

بہرحال اب اس تبصرہ سے اُن مفاسدِ دینیہ کا مکمل تدارک تو مشکل ہے جو اصل کتاب کی اشاعت سے پیدا ہوئے ہیں، لیکن اگر مسلمانوں نے حُبِّ دین کے جذبے کے تحت اس تبصرہ کی اشاعت میں اعانت فرمائی تو ایک حد تک کامیابی کی امید ہے۔

اللہ مؤلف کو اجر دے اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

۱۱ر شوال ۱۳۸۰ھ

(دستخط حضرت مولانا شمس الحق افغانی (رحمۃ اللہ علیہ)

جامعہ اسلامیہ بہاول پور

◎

درخواست بہ بارگاہِ ایزدی

- سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب داماد اور خلفاء راشدین میں سے ہیں۔ ایک سرکار کے رفیق جنّت اور دوسرے، دنیا و آخرت میں حضورؐ کے بھائی ہیں۔
- سیدنا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور عشرہ مبشرہؓ میں سے ہیں۔
- سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور دونوں جنّت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے ہیں۔
- سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا امّ المومنین اور اَحَبُّ النّاس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
- سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ رسول اللہ علیہ وسلم کے نسبتی بھائی، کاتبِ وحی اور حضورؐ کی دعا کے مطابق ہادی اور مہدی ہیں۔

زمانہ کی ناانصافی دیکھئے کہ "تاریخی ریسرچ" کے نام پر ایسی ایسی مقدس شخصیتوں کو ہدفِ مطاعن بنایا جاتا ہے اور پڑھا لکھا طبقہ ایسے "شاہکاروں" کو بڑھ بڑھ کر سر دھنتے ہیں۔

ع تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

فلک ناہنجار سے کیا شکوہ، کہ اس کی مشقِ ستم گری کے نمونے اس سے بڑھ کر موجود ہیں

دعا اللہ کی ذات سے ہے کہ یارانِ رسولؐ کے اس بے بضاعت غلام کی یہ حقیر سی خدمت اس کی بارگاہ میں شرفِ پذیرائی حاصل کرے تو اس کتاب کو پڑھنے والوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے اور اس کا اجر انؐ مقدس نفوسِ مطہرہ تک پہنچا دے۔

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

(ناچیز مصنّف)

پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و
آلہ وصحبہ اجمعین ؏

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہمارا معاشرہ خدا ترسی، انابت الی اللہ اور فکر آخرت کے لحاظ سے روز بروز گرتا جا رہا ہے۔ وہ باخدا انسان جن کی مصاحبت اور ہم نشینی سے ایمان کو تازگی ملتی تھی، اُن کے صرف چند نمونے باقی رہ گئے ہیں۔ شاعر مشرق کا کا قول "قم باذن اللہ" جو کہہ سکتے تھے، وہ رخصت ہوئے ——— آج ہمارے ماحول سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اس دور کے ایک بلند پایہ عالم مولانا مناظر احسن گیلانی نے موجودہ تمدن کے لئے بڑا ہی موزوں اور بالکل صحیح لفظ ایجاد فرمایا ہے "خدا بیزار تمدن"

ایک طرف دین کے بارے میں بے حسی اور مذہب سے بے نیازی کا یہ عالم ہے، دوسری طرف آئے دن "تاریخی ریسرچ" اور "بے لاگ تجزیہ" کے حیرت انگیز کارنامے ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں، چند سال قبل کراچی سے ایک صاحب محمود احمد عباسی کی دو فتنہ زا کتابیں (خلافت معاویہؓ و یزید اور تحقیق مزید) مارکیٹ میں آئی تھیں جن میں مصنف نے "اہل بیت[1] دشمنی" کا حق ادا کر دیا۔

---

[1] آخر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور سیدنا حضرت حسین۔

حال میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تازہ تصنیف "خلافت و ملوکیت" بڑی رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی ہے۔ مولانا کی وسعت نظر اور انشاپردازی میں انہیں جو کمال حاصل ہے۔ اس کا ہمیں اعتراف ہے۔ لیکن اس کے باوجود اُن کی اس کتاب کے بارے میں ہماری قطعی اور حتمی رائے ہے کہ یہ کتاب سوءِ ظن ہے خوانذی نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اِتَّقُوْا زَلَّةَ الْعَالِمِ"[1] "تم عالم کی لغزش سے بچ کر رہو۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب بھی آپ مجلس وعظ منعقد فرماتے تو چند نصائح بالالتزام فرماتے تھے جن میں ایک جملہ یہ ہے: "وَاُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيْمِ"[2] "میں تمہیں عالم کی غلطی سے ڈراتا ہوں۔

امام غزالیؒ نے حضرت معاذؓ ہی سے کچھ مزید الفاظ نقل فرمائے ہیں:

"تم عالم کی غلطی سے بچو۔ کیونکہ مخلوق کے نزدیک اس کی بڑی عزت ہوتی ہے تو وہ غلطی میں بھی اس کا اتباع کرنے لگتے ہیں" احیاء العلوم صہ ۶۴ ج ۱

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"جب ایک عالم غلطی کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایک عالَم غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے"

بقیہ حاشیہ صہ ۵

رضی اللہ عنہ کی صحابیت تک سے انکار اور مقابلتاً یزید کو مثیل عمرؓ ٹھہرانے کی مذموم کوشش کو اور کن الفاظ سے تعبیر کیا جائے؟ حد یہ ہے کہ مصنف نے درود شریف میں سے آل کا لفظ خارج کر دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اہل بیت کے ساتھ بغض اور کیا ہوگا؟

[1] جامع صغیر صہ ۹ ج ۱ [2] ابوداؤد صہ ۲۶۹ ج ۲

(حوالہ مذکور)

مشہور ہے کہ بڑوں کی غلطیاں بھی بڑی ہوتی ہیں چنانچہ کتاب خلافت و ملوکیت کے جو نتائج بد اب تک سامنے آئے ہیں یا آئندہ آئیں گے وہ ظاہر ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ کہ مولانا کے پیرو کاروں نے اب اس کتاب کی حمایت و تائید کو اپنا جماعتی مسئلہ بنالیا ہے۔ جرائد میں آئے ہوئے مضامین اور پمفلٹ اتنی کثرت سے تقسیم کئے گئے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ایک فصل اگ آئی ہے دیکھو عرصہ قبل یہی الفاظ مولانا نے اپنے مخالفین کے پمفلٹوں — اور مضامین کے لئے استعمال کئے تھے [1] لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔)

اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ کتاب مذکور کا نقصان اس کے نفع سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اگر آپ چشمِ بینا اور عقلِ رسا رکھتے ہیں تو یقیناً دیانتدارانہ غور و فکر کے بعد آپ ان خطرناک نتائج تک پہنچ سکیں گے۔

مولانا سے ہماری نہایت ہی مخلصانہ درخواست ہے کہ خدارا وہ اپنے خیالات پر نظرِ ثانی فرمائیں۔ ملّتِ اسلامیہ پہلے سے صفرادی امراض کا شکار ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے کے رجحانات روز بروز ترقی کر رہے ہیں۔ پھر اُسے سقمونیا کی بجائے گُڑ اور شکر کا استعمال کرایا جا رہا ہے۔ فیا للعجب! اگر مولانا قوم کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بیماری کی تشخیص فرماتے تو یقیناً تریاق کی بجائے اسے گُڑ نہ دے دیتے۔ مولانا کا مقام ہر لحاظ سے بلند ہے۔ ان کے مقابلہ میں راقم السطور کو چھوٹا ہونے کا اعتراف ہے لیکن اگر از راہِ خورد نوازی وہ آئندہ

---

[1] ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۳۵ عدد ۵ صفحہ ۲۱

معروضات پر قلب سلیم کے ساتھ غور فرمائیں گے تو عجب نہیں کہ بمصداق فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ہماری یہ گذارشات خود اُن کے لئے بھی مفید ثابت ہوں

ع گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ

آئندہ اوراق کیا ہیں؟ کتاب پر کوئی مفصل تبصرہ یا تاریخی واقعات پر تنقید نہیں ہے بلکہ چند اصولی باتیں ہیں جن کا قرنِ اوّل کی تاریخ پڑھتے وقت سامنے رکھنا ضروری ہے۔ ہم نے ان معروضات میں اپنا لب ولہجہ حتی الامکان نرم او رنیازمندانہ رکھا لیکن بے ساختہ اگر کہیں ذرا سی تلخی پیدا ہوگئی ہے تو اس کا باعث فقط صحابہ کرامؓ کی محبت ہے۔ اس لئے توقع ہے کہ ہمیں معذور سمجھا جائے گا۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

◎

مولانا مودودی کی تصنیف
"خلافت وملوکیت" سے چند اقتباسات

۱:- "لیکن ان (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کے بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ اس پالیسی (شیخینؓ کی پالیسی) سے ہٹتے چلے گئے" صہ ۱۰۶

۲:- "حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے۔ خواہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے" صہ ۱۲۶

۳:- "حضرت علیؓ نے پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایانِ شان تھا۔ البتہ صرف ایک چیز ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے۔ وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا .... حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف ایک ہی کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں" صہ ۱۴۶

۴:- "حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ ــــ ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالت قدر کا احترام ملحوظ

رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی ...... پہلے فریق نے غیر آئینی طریق کار اختیار کیا جسے شریعت الٰہی تو درکنار، دنیا کے کسی آئین وقانون کی رو سے بھی ایک جائز کارروائی نہیں مانا جاسکتا۔ اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق کا یعنی حضرت معاویہؓ کا تھا...... انہوں نے ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقہ پر عمل کیا" صہ ۱۲۴ تا ۱۲۶ (ملخصاً)

۵۔ "بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو "اجتہاد" قرار دینے کی کوشش کریں...... کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہوجاتا۔ بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور نمایاں ہوجاتی ہے" صہ ۱۴۳

۶۔ "حضرت معاویہؓ کے محامد ومناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کردیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو غلط کہنا ہی ہوگا" صہ ۱۵۳

۷۔ "دور ملوکیت کے آغاز ہی سے بادشاہ قسم کے خلفاء نے قیصر وکسریٰ کا سا

طرزِ زندگی اختیار کر لیا ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ اس تبدیلی کی ابتدا حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ بعد میں برابر بڑھتی ہی چلی گئی " صہ ۱۹۰ و ۱۹۱

۸۔ "جب ملوکیت کا دور آیا تو بادشاہوں نے اپنے مفاد، اپنی سیاسی اغراض، اور خصوصاً اپنی حکومت کے قیام و بقا کے معاملہ میں شریعت کی عائد کی ہوئی کسی پابندی کو توڑ ڈالنے اور اس کی باندھی ہوئی کسی حد کو پھاند جانے میں تامل نہ کیا ․ ․ ․ ․ ․ ․ یہ پالیسی حضرت معاویہؓ کے عہد ہی سے شروع ہو چکی تھی " صہ ۱۷۳

۹۔ " مجھے اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جن کو میں بزرگ مانتا ہوں ان کی کھلی کھلی غلطی کا انکار کروں، لیت پوت کرکے ان کو چھپاؤں یا غیر معقول تاویلیں کر کے ان کو صحیح ثابت کروں " صہ ۳۰۷

۱۰۔ " خدا کی شریعت بے لاگ ہے۔ اس میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ کسی کے مرتبے کا لحاظ کرکے ہم غلط کو صحیح بنانے کی کوشش کریں " صہ ۳۴۲

۱۱۔ "جن حضرات نے بھی قاتلینِ عثمانؓ سے بدلہ لینے کے لئے خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھائی ان کا یہ فعل شرعی حیثیت سے بھی درست نہ تھا اور تدبیر کے اعتبار سے بھی غلط تھا۔

مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے کہ انہوں نے یہ غلطی نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے کی تھی۔ مگر میں اسے محض "غلطی" سمجھتا ہوں۔ اس کو "اجتہادی غلطی" ماننے میں مجھے سخت تامل ہے " صہ ۳۴۳

ہم نے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند اقتباسات نقل کر دیئے ہیں۔ اب کچھ ہماری بھی سنئے ـــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر آپؐ کے صحابہؓ کا پاس کیجئے

حضرت ابوالدرداء انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ابوبکرؓ آئے۔ اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑے ہوئے تھے حتیٰ کہ ان کے گھٹنے بھی کھل رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے ساتھی کو کوئی بات پیش آگئی ہے۔ بہر حال، انھوں نے سلام کیا اور کہا کہ میرے اور عمر بن خطابؓ کے درمیان کوئی بات ہو گئی۔ مجھ سے جلد بازی ہوئی جس پر بعد میں مجھے ندامت ہوئی اور میں نے ان سے معافی مانگی۔ تو انھوں نے مجھے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے میں جنابؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: اے ابوبکرؓ! اللہ تجھے معاف کرے۔ ادھر حضرت عمرؓ کو بھی بعد میں احساس ہوا تو وہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے اور پوچھا کہ: ابوبکرؓ یہاں ہیں۔ گھر والوں نے کہا: نہیں۔ تو وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے۔ انہیں دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک کا رنگ بدلنے لگا۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ ڈر گئے۔ وہ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ اور دو دفعہ کہا یا رسول اللہؐ! بخدا مجھ ہی سے زیادتی ہوئی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا: کہ اللہ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تو تم نے کہا "تم جھوٹ بولتے ہو" ابوبکرؓ نے کہا۔ "سچ کہتے ہیں" اور اپنی جان اور مال

سے میری ہمدردی کی۔ کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو چھوڑ دوگے؟ اس کے بعد کبھی انہیں کسی نے دکھ نہ دیا۔ (صحیح بخاری صر ۵۱۶ ج ۱)

اس روایت میں غور کیجیے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر فاروقِ اعظمؓ کے خلاف کوئی استغاثہ دائر نہیں کیا بلکہ اپنا تصور وار ہونا تسلیم کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا تو قسم کھا کر وہی بات دہرائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی طرف سے صفائی نہیں فرمائی بلکہ ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمادی اور صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان کا جو تعلق ہے اور میری خاطر انہوں نے جو جانی و مالی خدمات سرانجام دی ہیں اس کے پیشِ نظر، کوئی ایسی ویسی بات ان سے ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دیا جائے اور انہیں پریشان ہرگز نہ کیا جائے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں سیدنا فاروق اعظمؓ کا تو ایک مقام یہی ہے کہ وہ اول ہیں اور یہ دوم۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر رنج پہنچا۔ لیکن کہاں خلفاء راشدین اور اکابر اصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، اور کہاں مولانا مودودی؟ ——— ذرے کو آفتاب سے اور قطرے کو دریا سے کیا نسبت؟ ——— اگر بخاری کی یہ روایت دین ہے، اور یقیناً ہے، تو کیا مولانا مودودی سے دین کا مطالبہ نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر آپؐ کے صحابہؓ کو چھوڑ دیں؟ ———

فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ؟

ابھی سے سوچ لو ورنہ حشر کے دن
مرے سوال کا تم سے جواب ہو کہ نہ ہو

صحابہؓ کو اپنی "تحقیقات" کا نشانہ بنا کر رسول اللہؐ کو دکھ نہ پہنچایئے ورنہ تو ـــــــ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اللہَ اللہَ فی اصحابی ، اللہَ اللہَ فی اصحابی ، لا تتخذوھم غرضاً من بعدی ۔ فمَنْ اَحَبَّھم فبحبی احبَّھمْ و مَنْ اَبْغَضَھم فببغضی اَبْغَضَھم ۔ ومَنْ آذاھم فقد آذانی ، ومَنْ آذانی فقدْ آذی اللہ ، ومن آذی اللہ فیوشک ان یاخذہ ۔

(مشکوٰۃ شریف صہ ۵۵۴ بحوالہ ترمذی)

اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارہ میں - اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارہ میں - میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنا لینا - جو ان سے محبت رکھے گا تو میرے ساتھ محبت کی وجہ سے انہیں محبوب رکھے گا اور جو اُن سے بُغض رکھے گا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے اُن سے بُغض رکھتا ہوگا - جس نے اُنہیں دُکھ پہنچایا ، اس نے مجھے دکھ دیا اور جس نے مجھے دُکھ دیا تو اس نے اللہ کو دکھ دیا - اور جس نے اللہ کو دُکھ دیا تو قریب ہے کہ اللہ اُس پر گرفت کرے ۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تاکید کے ساتھ تحذیری انداز میں فرماتے

ہیں کہ میرے بعد میرے صحابہؓ کو نشانہ نہ بنانا۔ بصورتِ دیگر، لازمی نتیجہ اللہ کی گرفت میں آنا ہوگا ——— انصاف سے کہئے کہ صحابہؓ کے کردار میں مین میخ نکال کر اُن کی "غلط کاریوں" کا جو مرقع "بے لاگ تاریخی تجزیہ" کے نام سے پیش کیا گیا ہے کیا یہ حکم نبوی کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے! کیا محبت کے تقاضے اس قسم کی کھود کرید کو برداشت کرتے ہیں ———؟

ٹپکتی ہے نگاہوں سے، برستی ہے اداؤں سے
محبت کون کہتا ہے کہ پہچانی نہیں جاتی

خدائے واحد گواہ ہے کہ ہم پورے خلوص اور انتہائی ہمدردانہ جذبات کے ماتحت مولانا مودودی کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات پر نظرِ ثانی فرمائیں۔ ورنہ تو انتظار فرمائیں، مکافاتِ عمل کا وقت بہت قریب ہے۔

بس تجربہ کردیم دریں دَیرِ مکافات
با دُرد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

صحابہ کرامؓ کے بارے میں زبان اور قلم پر کنٹرول کیجئے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوْا (جامع صغیر صہ ۲۹)

جب میرے صحابہؓ کا ذکر ہو تو تم اپنی زبانوں کو روک لو

کتنا واضح فرمان ہے ؟ کوئی ایچ پیچ کی بات نہیں اور ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ایک طرف تو مولانا مودودی فرماتے ہیں :-

"رسول انسانی زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت کا نمائندہ ہے اور اس بنا پر اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہے - خدا ہی کا یہ حکم ہے کہ رسول کے امر و نہی اور اس کے فیصلوں کو بے چون وچرا تسلیم کیا جائے ، حتیٰ کہ ان پر دل میں بھی ناگواری پیدا نہ ہو ، ورنہ ایمان کی خیر نہیں ہے ۔"

خلافت وملوکیت صہ ۳۰

دوسری طرف حضرات صحابہؓ کے بارہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی کی صریح مخالفت کرتے ہیں - قول و فعل کا یہ تضاد کیوں ہے ؟

◎

صحابہؓ پر اعتراض کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض مت کیجیے

صلح حدیبیہ کے بعد کسی ضرورت سے حضرت ابوسفیانؓ، جب کہ آپ ابھی مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے، قریش مکہ کے سفیر کی حیثیت سے مدینہ منورہ آئے، ایک موقعہ پر وہ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کے سامنے آئے تو انھوں نے کہا "اللہ کی تلواروں نے ابھی تک دشمن خدا کی گردن میں اپنی جگہ نہیں لی ——— یعنی افسوس کہ ابھی تک یہ زندہ ہیں" اس پر حضرت ابوبکرؓ نے ابوسفیانؓ کی دل جوئی اور حق امان کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا "کیا تم قریش کے شیخ اور سردار کے متعلق یہ بات کہتے ہو" (اس طرح کی دل جوئی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض مشرک سرداران قبائل کی فرما لیتے تھے) اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو یہ واقعہ آپ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ——— "ابوبکرؓ! شاید تم نے انہیں ناراض کر دیا ہے تو اپنے رب کو ناراض کر دیا ہے" ——— بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ! تم اس کی تلافی کرو ——— چنانچہ حضرت ابوبکرؓ ان صحابہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا "کیوں بھائیو! تمہیں مجھ سے رنج پہنچا ہے؟" انھوں نے یک زبان ہو کر کہا "نہیں بھائی! اللہ آپ کو معاف کرے"

(مسلم شریف مع شرح نووی صد ۳۰۴ ج ۲ داشعۃ اللمعات صد ۱۴ ، ج ۴)

اس واقعہ کو پڑھئے اور کوئی ٹوٹنے والا دل سے کر پڑھئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ، حضرت صہیب رومیؓ اور حضرت بلال حبشیؓ فقرا مسلمین میں سے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کی کیا قدر و منزلت ہے کہ امت محمدیہ کے سرخیل اور سید الطائفہ انہیں صرف ایک بات پر ٹوک دیتے ہیں۔ کوئی مار پٹائی نہیں۔ کوئی گالی گلوچ نہیں۔ حتیٰ کہ لب و لہجہ بھی درشت نہیں۔ لیکن سادہ لفظوں میں کہی ہوئی بات سے بھی ان حضرات کو رنج پہنچنے کا اندیشہ گذرا تو بارگاہِ رسالت سے انہیں حکم ہوا کہ اس کی تلافی کرو۔ لیکن آج "ریسرچ کرنے والے" اہلِ قلم حضرت عثمانؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ جیسے پاکباز اور مقدس النفوس کے حقوقِ ادب و احترام کو بالائے طاق رکھ کر انہیں غلط کار اور قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ فنوا اسفاہ!

ع چراغ مردہ کجا وشمع آفتاب کجا

فرض کیجئے اگر آج عالم دنیا ہی میں ایک عدالت ایسی قائم ہو جائے کہ احکم الحاکمین خود کرسیٔ عدالت کو رونق بخشیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ، مولانا مودودی کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کریں تو کیا مولانا مدعا علیہ بننے کی تاب رکھتے ہیں؟ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔

ضرورت سے زیادہ احساس برتری اور بڑائی کا جو پندار انسان کے لئے قبولِ حق سے مانع ہوتا ہے لیکن قرآن جانیے شانِ صدیق پر اکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد پوری انسانی کائنات کے سردار اور برگزیدہ ہیں مگر ضعیفوں اور ناتوانوں سے معافی چاہتے ہیں ذرا بھی تامل نہ فرمایا۔ کیا ان کے نام لیوا، ان کے نقش قدم پر چلنے کو تیار ہیں۔؟

مرنے کے بعد عام مسلمانوں کی بُرائی کرنا ممنوع ہے چہ جائیکہ صحابہؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ وَکُفُّوْا عَنْ مَسَاوِیْھِمْ

(ابو داؤد و ترمذی)

اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو، اور ان کی برائیوں کے ذکر سے باز رہو۔

یہ ایک عام حکم ہے، جو تمام مسلمانوں کے بارے میں دیا گیا ہے۔ اس کی ایک علت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ایک شخص کی عملی کوتاہیاں بیان کرنا گویا اس پر چارج شیٹ لگانا ہے جس کی صفائی اگر وہ پیش نہ کرے تو اس کی شہرت یقیناً خراب ہو جائے گی اور اس کی حیثیت عرفی داغ دار ہو جائے گی۔ مر جانے کے بعد چونکہ ایک آدمی کے لئے صفائی پیش کرنے کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں تو اب اُس کی غلطیاں گنوانا خواہ مخواہ اُسے بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ بجائے خود یہی بات اخلاقی لحاظ سے نہایت قبیح اور مذموم ہے۔

علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ نے ایک اور لطیف بات کہی ہے :

اگر نیک لوگ مُردگان کی نیکیوں یا برائیوں کا ذکر کریں تو اس کا اثر مُردوں پر پڑتا ہے، کیونکہ بروئے حدیث انتم شھداء اللہ

فی النار۔ حق، معتبر لوگ اگر مردے کے نیک ہونے کی گواہی دیں گے، تو عند اللہ وہ اجر کا مستحق ہوگا اور اس کی برائی کریں گے تو عادل گواہوں کے بیانات سے اس کا مجرم ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے اُس سے بازپرس ہو گی۔ ۱۲ مصنف) اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچائیں اور انہیں نقصان نہ دیں کیونکہ آدمی اگر ایسا کام کرے تو اُس کا نفع نقصان اُسی کو پہنچتا ہے[1]۔ لہٰذا انہیں کوشش کرنی چاہئے کہ وہ صالحین کے تذکرے سے اپنے آپ کو نفع پہنچائیں اور ایسی کوئی بات نہ کریں جو اُن کے لئے نقصان کا باعث ہو۔"

اب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ذہن میں رکھئے اور مولانا مودودی کی کتاب کے اقتباسات پڑھ کر دیکھئے کیا مولانا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی تو نہیں کی؟

---

[1] اس لئے کہ صالحین کے تذکرہ کرنے سے اس پر رحمت کا ظہور ہوگا اور بدکاروں کا ذکر کرنے سے قہرِ الٰہی جوش میں آئے گا اور خود بیان کرنے والے سے پوچھا جا سکتا ہے، کہ دوسروں کا شکوہ کرتے ہو تمہارا اپنا کیا حال ہے؟ ۱۲ مؤلف

آپ صحابہؓ پر بطورِ افسر تعینات نہیں ہیں اس لئے آپ انکی غلطیاں نہ نکالئے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

لَا تَنْظُرُوا فِیْ ذُنُوْبِ النَّاسِ کَاَنَّکُمْ اَرْبَابٌ وَ انْظُرُوْا فِیْ ذُنُوْبِکُمْ کَاَنَّکُمْ عَبِیْدٌ (جمع الفوائد صہ ۲۰۸ ج ۲)

تم لوگوں کی غلطیوں پر اس طرح نظر نہ کرو کہ گویا تم آقا ہو، اور اپنے گناہوں پر اس تصور سے غور کرو کہ گویا تم غلام ہو۔

مولانا مودودی جب بھی کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو اپنا موضوع بناتے ہیں تو ناممکن ہے کہ وہ اس کی چند ایک غلطیاں نہ پکڑلیں۔ مندرجہ بالا اقتباسات تو آپ کے سامنے ہیں ہی۔ اس کے علاوہ خصوصیت سے آپ کتاب کا پورا باب پنجم پڑھ جائیے اور پھر رائے قائم کیجئے کہ مولانا نے سیدنا حضرت معاویہؓ پر مطاعن اور اعتراضات کی جو بوچھاڑ کی ہے کیا مولانا کو اس کا حق حاصل ہے۔ کہیں وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہے۔؟

ع حذر اے چیرہ دستاں، سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

رسول اللہ کو صحابہؓ کی شکایت سننا گوارا نہیں ہے۔۔۔ یہ مشغلہ بند کیجیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا يُبَلِّغنى احدٌ من اصحابى عن احدٍ شيئاً فانى اُحِبُّ ان اخرُجَ اليكم و انا سليمُ الصّدر۔

(مشکوٰۃ شریف صہ۴۱۴ بحوالہ ابی داؤد)

میرا کوئی صحابی کسی کے بارہ میں کوئی ناخوشگوار بات نہ پہنچائے کیونکہ میں یہی چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ صاف ہو۔

علمائے امت کہتے ہیں کہ اب بھی امت کے اعمال عالمِ برزخ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا کرتے ہیں اور بعض روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حشر کے روز تو بہرحال ہر شخص اپنے اپنے اعمال لے کر بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوگا جب کہ رسولِ مقبولؐ مقامِ محمود پر جلوہ افروز ہوں گے اور اس وقت مولانا مودودی "خلافت و ملوکیت" کے نام سے 'تصاویرِ جاناں' کا البم لے کر پیش ہوں گے تو آنجنابؐ کی طرف سے انہیں کیسا تحفہ مرحمت ہوگا یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔

◎

صحابہؓ پر اعتراضات کا دروازہ بند کیجیے

مولانا مودودی؛ آیت کریمہ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا کے تحت فرماتے ہیں:

"یہ نہیں فرمایا کہ ان حدوں سے تجاوز نہ کرنا، بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے قریب نہ پھٹکنا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مقام سے معصیت کی حد شروع ہوتی ہے عین اسی مقام کے آخری کناروں پر گھومتے رہنا آدمی کے لیے خطرناک ہے۔ سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی سرحد سے دور ہی رہے تاکہ بھولے سے بھی قدم اس کے پار نہ چلا جائے یہی مضمون اس حدیث میں بیان ہوا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکل ملكٍ حمی وان حمی اللّٰہ محارمہ، فمن رتع حول الحمی یوشك ان یقع فیہ ....

افسوس ہے کہ بہت سے لوگ جو شریعت کی روح سے ناواقف ہیں، ہمیشہ اجازت کی آخری حدوں تک ہی جانے پر اصرار کرتے ہیں اور بہت سے علماء و مشائخ بھی اسی غرض کے لیے سندیں ڈھونڈ کر جواز کی آخری حدیں انہیں بتایا کرتے ہیں تاکہ وہ اس باریک خط امتیاز پر ہی گھومتے رہیں، جہاں اطاعت اور معصیت کے درمیان محض بال برابر فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بکثرت لوگ معصیت اور معصیت سے بھی بڑھ کر ضلالت میں مبتلا ہو رہے ہیں"   تفہیم القرآن ص۱۷۴ ج۱

اس اقتباس کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب کے باب چہارم اور پنجم میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے مطاعن اور اعتراضات کی اس یورش کے باوجود وہ قارئین سے یہ اُمید رکھیں کہ پھر بھی وہ صحابہؓ کے احترام کا حق ادا کریں گے اور ملت اسلامیہ کے اوّلین مُعلّم اور حاملین دین جو دراصل کُنتم خَیرَ اُمّتہٍ کے مخاطب ہیں، نگاہوں میں ان کی وقعت کم نہ ہوگی۔ بلاشبہ یہ مرج کا ہیچ ڈال کر گنے کا رس حاصل کرنے کے ہم معنیٰ ہے [1]

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
بازمیگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

بڑا ہی تعجب ہے کہ مولانا جیسا ذہین وفطین آدمی قوم کی نفسیات کو نہیں سمجھ سکتا۔ مولانا کی علمی قابلیت اور کارناموں کو دیکھ کر اُن کی اِس تلخ نوائی کو سادہ لوحی پر محمول کرلیں، یہ قطعاً غلط ہوگا۔ اب کیا سمجھیں کچھ آپ ہی ارشاد فرمایئے۔ ہم تو کامل اذعان اور یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مولانا کی ان تحریروں کا نہایت ناخوشگوار اثر قوم پر پڑ چکا ہے اور ابھی آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ اگر برائی کا دروازہ بند کرنا دین کا کوئی مسئلہ ہے تو ہم امید کرتے ہیں کہ مولانا کو اپنی غلطی پر ضرور ندامت ہوگی۔ اور وہ اس کی تلافی کے لئے جرأت سے کام لیں گے۔

---

[1] مولانا مودودی کا اپنا فرمان ہے:

"جب قوم کے مقتدا اور مربی اس طرح کی باتوں پر اتر آئیں تو بعید نہیں کہ ان سے اخلاق وتہذیب کا سبق لینے والے اصاغر آدمیت سے بالکل ہی عاری ہو جائیں اور اس قوم میں نام کو بھی ایک دوسرے کی عزت کا پاس باقی نہ رہ جائے۔ ؎

اِذَا کَانَ رَبُّ الْبَیْتِ بِالطَّبْلِ ضَارِبًا   فَلَا تَلُمِ الْاَوْلَادَ فِیْہِ عَلَی الرَّقْصِ

(ترجمان القرآن جلد ۳۶ عدد ۲ صفحہ ۱۰۴)

صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا نہ کیجیے!

حضرت حذیفہؓ مدائن کے شہر میں رہتے تھے (جو پہلے کسریٰ کا دارالخلافہ تھا)، وہ بعض ایسی چیزیں بیان کر دیتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کی حالت میں اپنے بعض اصحاب کو فرمائی تھیں۔ حضرت حذیفہؓ کے پاس سے کچھ لوگ اُٹھ کر حضرت سلمان فارسیؓ کے پاس چلے جاتے اور اُن سے وہ باتیں کرتے۔ حضرت سلمانؓ فرماتے۔ حذیفہؓ جو کچھ کہتے ہیں وہ زیادہ جانتے ہیں۔ پھر وہ لوگ حضرت حذیفہؓ کے پاس واپس جاتے اور انہیں کہتے کہ ہم نے آپ کی باتیں حضرت سلمانؓ کے سامنے نقل کی ہیں۔ انہوں نے آپ کی تصدیق کی ہے نہ تکذیب۔ اس پر حضرت حذیفہؓ حضرت سلمانؓ کے پاس گئے۔ وہ اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا سلمانؓ! کیا بات ہے کہ جو کچھ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے اس کی آپ تصدیق نہیں کرتے؟

تو حضرت سلمانؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ناراض ہوتے تھے تو اس حالت میں اپنے بعض اصحاب سے کچھ فرما دیتے تھے۔ کیا تم اس کام سے باز نہیں آتے کہ ایسی باتیں چھیڑ کر لوگوں کے دلوں میں بعض لوگوں کی محبت پیدا کرتے ہو اور بعض کی نفرت اور اس طرح پر اختلاف اور جھگڑے کے اسباب پیدا کرتے ہو۔ بخدا! تم ضرور اس کام سے باز آجاؤ۔ ورنہ تو میں حضرت عمرؓ کے پاس لکھ بھیجوں گا۔ امام ابوداؤدؒ نے اپنی کتاب میں

اس روایت کو " اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہنے کی رکاوٹ " کے باب میں نقل فرمایا ہے۔ اگر " سُنن ابی داؤد " دین کی کتاب " ہے تو پھر روایت کے خط کشیدہ الفاظ اور امام ابوداؤد کا قائم کردہ عنوان غور طلب ہیں۔ کیا مولانا مودودی کے لئے ان میں کوئی درس موجود ہے۔ ؟

مولانا مودودی نے کبھی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا:

> کیا اس تحریر کے وقت حضرت (بطور طنز لکھا ہے۔ مصنف) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات یاد تھے کہ سِبَابُ المسلم فُسُوقٌ اور کُلُّ المسلم علی المسلم حرامٌ دَمُہٗ مَالُہٗ وعِرضُہٗ ؟ کیا یہ جواب لکھتے وقت حضرت نے ایک لمحہ کے لئے یہ بھی سوچا تھا کہ ہمیں اور انہیں ایک وقت مرنا اور اپنے رب کی عدالت میں حاضر ہونا ہے ؟ وہاں اگر مسائل کے الزامات محض بُہتان و افترا ثابت ہو گئے تو حضرت اس کی توثیق کی پاداش سے کیا دے کر بچیں گے ؟
>
> (ترجمان القرآن ج ۳۶ عدد ۲ صفحہ ۱۰۸)

ہم بصد ادب مولانا سے پوچھتے ہیں کہ حضرت! کیا عثمان و علی، طلحہ و زبیر، عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے نزدیک کسی عرض و لینی عزت، آبرو کے مالک ہیں ؟ اور کیا وہ بھی کسی احترام کے مستحق ہیں ؟ اور کیا اُن پر عائد کردہ الزامات کے بارے میں آپ کو اطمینانِ قلب اور پورا انشراحِ صدر ہو چکا ہے کہ اتنی طویل فردِ قرار دادِ جرم مرتب کر ڈالی ہے ؟

تاریخی خرافات کو—
کتاب وسنّت پر ترجیح نہ دیجئے

مولانا مودودی فرماتے ہیں :-

ا :- "علوم اسلامیہ کو بھی ان کی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجئے ، بلکہ اُن میں سے متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کرکے اسلام کے دائمی اُصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجئے ...... قرآن اور سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے ۔ مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں ۔" (تنقیحات ،

ب :- "محدثین کرام نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا جو بلا شبہ نہایت بیش قیمت ہے ۔ مگر ان میں کونسی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو ۔" (تفہیمات ،

بڑی حیرت کی بات ہے کہ جو شخص کل تک دوسروں کو اس قدر اس احتیاط کا درس دیتا رہا ، آج وہ خود اس قدر ابتذال اور عامیانہ پن پر اتر آیا ہے کہ سیر ومغازی کے وہ رُواۃ جن کا تشیع یا اعتزال خود اُس کو بھی تسلیم ہے ، اُن کی نقل کردہ روایات کا سہارا لے کر دین کے ستون گرانے پر تُلا ہوا ہے ۔

ایک طرف تو مولانا مودودی ذخیرۂ حدیث میں صحاح ستہ تک کو بھی لحاظ درایت پرکھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ، لیکن وہ دوسری طرف تاریخی خرافات کو اس قدر قابلِ اعتماد

سمجھتے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی ست۔ مثل مشہور ہے "یا باں شور و شرایا ایں بے نمکی" صحابہ کرامؓ کی عظمت اور ان کے تقدس پر قرآن و حدیث کی واضح اور قطعی نصوص موجود ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں ظنی اور شکی روایات کی کیا حیثیت ہے۔ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتایا ہے کہ وہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے راضی ہے تو کیا اس کے بعد اُس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ اُن پر ناراض ہو گیا ہے؟ (ازالۃ الخفاء صہ ۲۲۱ ج ۲)

اگر صحابہؓ پر تنقید کا جواز یا عدم جواز آپ کے نزدیک دین کا کوئی مسئلہ ہے تو تاریخی خرافات کر چھوڑ دیجئے کتاب و سنت سے بات کیجئے۔

محترم مولانا کبھی جناب نے اپنے حریف علماء سے سوال کیا تھا کہ:

"اپنی دنیا اور عاقبت سنوارنے کی فکر چھوڑ کر آخر اس کام میں یہ عرق ریزی کس لئے کی جارہی ہے؟ اور یہ اصول قرآن، حدیث، یا طریق سلف میں کہاں سے اخذ کیا گیا ہے کہ تم ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کو مطعون کرنے کے وجوہ تلاش کرو اور پھر بھی کام نہ چلے تو اپنی طرف سے کچھ ملا کر فرد جرم مکمل کر دو؟"

(ترجمان القرآن ج ۳۶ عدد ۲ صہ ۱۱۳)

کیا ہم نیاز مندبھی جناب سے پوچھ سکتے ہیں کہ قرآن و سنت کی تعلیم کو چھوڑ کر اور علماء امت کے اجماعی عقیدہ کے برخلاف تاریخ کی جھوٹی سچی روایات کا سہارا لے کر اصحاب رسول اللہ ؐ کو مجرم قرار دینے کی آپ کے پاس کونسی وجہ جواز ہے؟

اپنا اندازِ گفتگو تبدیل کیجیے

تعبیر الرؤیا، ابن سیرین میں درج ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے خواب میں دیکھا کہ اس کے دانت گر گئے ہیں۔ صبح کو اُس نے اپنا ایک خادم بھیج کر ایک معبّر کو بلوایا اور اس سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ اُس نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے تمام رشتہ دار آپ کے سامنے مر جائیں گے۔ منصور نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر دربار سے نکال دیا۔ پھر دوسرے کو بلایا۔ وہ شاہی آداب سے واقف تھا۔ اس نے کہا "امیر المومنین! آپ کی عمر آپ کے تمام گھر والوں سے زیادہ ہوگی۔" خلیفہ ہنس پڑا اور کہنے لگا: "بات تو ایک ہی ہے؛ لیکن بولنے کا انداز خوب ہے۔" پھر اسے دس ہزار درہم کی تھیلی دی۔

کتب سیر میں ایک واقعہ آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عباسؓ سے پوچھا: "تم بڑے ہو یا میں؟" انہوں نے جواب میں عرض کیا:

اَنْتَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَ اَنَا اَسَنُّ مِنْکَ

بڑے تو حضور ہی ہیں اور عمر میری زیادہ ہے۔

سبحان اللہ! کیا پیارا انداز ہے بولنے کا! اسلامی لٹریچر بھرا ہوا ہے "تادّب مع اللہ" "ادب مع الرسولؐ" اور احترام اکابر کی تعلیمات سے۔ بیسیوں آیات اور احادیث اس موضوع پر موجود ہیں لیکن مولانا مودودی ہیں کہ کبار صحابہؓ پر بزرگانہ انداز میں گرفت کرتے ہیں۔ تسامحؔ اور چشم پوشی سے کام لینے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہیں۔

بلکہ انہیں دوسرے علماء کا اس قسم کا طرزِ عمل نظر آتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ سخن سازیاں ہیں، غیر معقول تاویلیں ہیں، عقل و انصاف کا خون ہو رہا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں اقتباسات ۲، ۵ و ۷۔

بلاشبہ مولانا مودودی اُن آداب کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہمیں سکھائے ہیں۔ از بس ضروری ہے کہ وہ اپنا اسلوبِ کلام تبدیل فرمائیں۔

بلکہ ہم تو ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ اسلام نے صرف یہ کہ خدا، رسول اور شعائرِ دین (جن میں صحابہؓ، ائمہ اور دیگر بزرگانِ اسلام بھی شامل ہیں)، کے حق میں بے ادبی کو ممنوع قرار دیا، بلکہ ہر اُس طرزِ عمل اور اندازِ گفتگو سے بھی رکاوٹ کر دی ہے جس سے اہلِ باطل کے لئے بدگوئی اور بے ادبی کی گنجائش پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو راعِنا کہنے سے روکا گیا، کہ اس کلمے کے استعمال سے بدباطن یہودیوں کو بدزبانی کا موقعہ ملتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے معبودانِ باطلہ کی برائی کرنے سے منع کیا گیا کیونکہ اُن کی طرف سے اللہ کے حق میں زیادتی ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو، جب آپ اسلام کی آئیڈیل شخصیتوں پر کھُل کر نکتہ چینی اور حرف گیری کریں گے۔ کیا اس سے اُن لوگوں کو موقعہ نہیں ملے گا جن کے دل بغضِ صحابہؓ اور بغضِ ائمہ کے مریض ہیں؟ اگر واقعی آپ کی عینک کے آتشی شیشے اُن حضرات کی بشری کمزوریوں کو زیادہ جلی کر کے آپ کے سامنے لاتے ہیں تو کیا آپ کی زبان اور قلم بھی خفی کو جلی کر دینے پر مجبور ہیں؟

اندازِ فکر تبدیل کرنے کی ضرورت

گذشتہ اوراق سے شاید قارئین کو یہ شبہ گذرے کہ مولانا مودودی نے صحابۂ کرام کی جن غلطیوں کی نشاندہی کی ہے، فی الواقع یہ باتیں توصحیح ہیں۔ لیکن "عطائے بزرگاں گرفتن خطاست" کے مطابق صرف ان حضرات کے شرفِ صحابیت کی بنا پر پردہ پوشی کی ضرورت ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے سطورِ ذیل توجہ سے پڑھئے

مولانا مودودی نے اپنی کتاب تجدید و احیاء دین میں جن مجددین ملت کے عظیم کارناموں اور ان کی مثالی خدمات کا ذکر کیا ہے، ساتھ ساتھ ہر ایک مجدد کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں دو چار جملے ایسے لکھ دیئے ہیں جو مختصر ہونے کے باوجود محاسن کے طویل تذکرے پر بھاری ہوتے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

۱:- "اسلام کے پہلے مجدد عمر بن عبدالعزیز ہیں ...... مگر اموی اقتدار کی جڑوں کو اجتماعی زندگی سے اکھاڑنا اور عام مسلمانوں کی ذہنی و اخلاقی حالت کو خلافت کا بار سنبھالنے کے لئے تیار کرنا اتنا آسان کام نہ تھا کہ ڈھائی برس کے اندر انجام پاسکتا۔

۲:- "امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوتے۔ دوسری قسم ان

نقائص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم اُن نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے۔"

۳:- (امام غزالی کی کمزوریوں سے بچ کر اُن کا اصل کام جس شخص نے انجام دیا وہ ابن تیمیہ تھا) "تاہم یہ واقعہ ہے کہ وہ بھی کوئی ایسی سیاسی تحریک نہ اٹھا سکے جس سے نظامِ حکومت میں انقلاب برپا ہوتا اور اقتدار کی کنجیاں جاہلیت کے قبضہ سے نکل کر اسلام کے ہاتھ میں آتیں۔"

۴:- (شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی، سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنے اپنے وقت میں تجدیدی کام کیا مگر یہ لوگ بھی چند اسباب کی بنا پر ناکام رہے) "پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب اور ان کے خلفا تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ اُنہوں نے تصوف کے بارہ میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کی ضرورت تھی۔"

(اس سے آگے بڑی شرح و بسط کے ساتھ مولانا نے ان حضرات کی خامیوں اور نقائص کو بیان فرمایا ہے۔)

مندرجہ بالا اقتباسات مولانا کی کتاب "تجدید و احیاء دین" سے لئے گئے ہیں

۵:- "جو لوگ مسلمانوں کی راہ نمائی کے لئے اٹھتے ہیں ان کی زندگی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ادنیٰ جھلک تک نظر نہیں آتی۔ کہیں مکمل فرنگیت ہے، کہیں ہنرو اور گاندھی کا اتباع ہے۔ کہیں جبّوں اور عماموں میں سیاہ دل اور گندے اخلاق لپٹے ہوئے ہیں۔ زبان سے وعظ، اور عمل میں بدکاریاں

ظاہر میں خدمتِ دین اور باطن میں خیانتیں، غداریاں اور نفسانی اغراض کی بندگیاں۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اوّل)

۶:۔ "یہ غریب تعلیم کے لئے جدید درسگاہوں میں جاتے ہیں تو وہاں زیادہ تر مخلص اور مکار ملاحدہ یا نیم مسلم و نیم ملحد حضرات سے اُن کو پالا پڑتا ہے۔ قدیم مدارس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اکثر مذہبی سوداگروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں دینی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو خطیبوں اور واعظوں کی عظیم اکثریت انہیں گمراہ کرتی ہے۔ روحانی تربیت کے طالب ہوتے ہیں تو پیروں کی غالب اکثریت اُن کے لئے راہ حذر کی رہزن ثابت ہوتی ہے۔"

(جماعت اسلامی کا مقصد اور لائحہ عمل)

اب سوال یہ ہے کہ مولانا مودودی اپنے ہم عصر علماء سے لے کر مجددِ دین ملت اور آئمہ دین بلکہ کبار صحابہؓ تک پر بے لاگ، بلکہ بے باکانہ، تنقید کرتے چلے جاتے ہیں۔ کیا واقعی مولانا اس طرزِ عمل میں حق بجانب ہیں یا اس میں کہیں اُن کے قصورِ نظر کا دخل ہے؟ ہم اپنی معلومات کی رُو سے اس سوال کا جواب دینے کے لئے دوسری شق کو اختیار کرتے ہیں۔ نہایت ہی دیانتداری اور مولانا سے بڑی محبت رکھنے کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور رہیں کہ مولانا کا اندازِ فکر قطعی غلط اور نصوص شرعیہ کے خلاف ہے۔ سورۂ نور کے دوسرے رکوع کو غور سے پڑھا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی کے متعلق رائے قائم کرنے میں کس قدر سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا

(جب تم نے یہ بات سنی تھی تو ایسا کیوں نہ کیا کہ مسلمان مرد بھی اور عورتیں بھی اپنے بارہ میں حسن ظن سے کام لیتیں) اس کے تحت تفسیر ماجدی میں لکھا ہے:

"قرآن نے یہاں اس ضابطہ کی تعلیم دے دی کہ پہلے مسلمان سے متعلق ہر روایت کے وقت حسن ظن ہی سے کام لیتے رہنا چاہیئے تا آنکہ اس کے خلاف کوئی قطعی شہادت اور کافی ثبوت نہ مل جائے۔ نفی الزام کے لئے صرف عدم ثبوت وعدم شہادت کافی ہے۔"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

"اس میں صریح تحقیق ہے کہ خبروں میں سخت احتیاط و تحقیق سے کام لینا چاہیئے۔ اور یہ اہل اللہ کی عادت ہے کہ بعید سے بعید احتمال پر بھی حسن ظن ہی کرتے ہیں"

(بیان القرآن)

تاریخی روایات سے کسی کے خلاف جو رائے قائم کی جاسکتی ہے اس کی حیثیت ظن سے زیادہ ہرگز نہیں ہوتی اور حدیث میں آیا ہے "ایاک والظن" فان الظن اکذب الحدیث۔ دین اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی بڑے عالم کا نام نہیں لیا جاسکتا جس نے مولانا مودودی کا سا انداز اختیار کیا ہو اور نہ قرآن کی کسی آیت یا حدیث کا کسی جگہ سے اس کے جواز پر کوئی دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ ہمیں اعتراض اس بات کا ہے کہ مولانا جب اسی مذہب کے داعی ہیں جو صدیوں سے بطور وراثت سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آتا ہے لیکن اس پورے طویل عرصہ میں دین کا درد رکھنے کے باوجود کسی نے یہ وطیرہ اختیار نہیں کیا تو مولانا مودودی ان کی راہ سے ہٹ کر کیوں چلتے ہیں۔ انہیں دیکھ لینا چاہیئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ درخت کی جس ٹہنی پر وہ خود بیٹھے ہیں اور دوسروں کو بھی وہاں جمع کر رہے ہیں اُسی کو جڑ سے کاٹنے کے لئے تیشہ و تبر چلا رہے ہوں۔

ایک واقعہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور اسی سال امام صاحب کی وفات کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی! اور یہ بھی بالکل اتفاقی بات ہے کہ امام شافعیؒ اپنی والدہ کے بطن میں دو سال تک رہ گئے۔ بعد میں جب احناف اور شوافع میں تعصب کا رنگ پیدا ہوا تو حنفی شافعیوں کو طعنہ دیتے ہوئے کہتے تھے کہ دیکھا جب تک ہمارے امام اس دنیا میں رہے تمہارے امام نے ماں کے پیٹ سے قدم باہر نہ رکھا۔ اور شافعی حنفیوں کو کہتے تھے کہ دیکھا جب ہمارے امام اس دنیا میں آئے تو تمہارے امام پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے۔ ایک محقق عالم نے کہا ہے کہ یہ دونوں باتیں تعصب پر مبنی ہیں۔ اگر نکتہ بعد از وقوع پیدا کرنا ہی ہے تو یوں کہئے کہ جس وقت امام اعظمؒ نے دیکھا کہ اب میرا جانشین آرہا ہے اور وہ کتاب وسنت کی اشاعت کا کام سنبھال لے گا۔ میری چنداں ضرورت نہیں رہی تو وہ چلے گئے ـــــــ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ مختلف اسالیب فکر سے مختلف نتائج سامنے آتے ہیں۔

ایک موحد کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ خدا ایک سے زیادہ مان لئے جائیں مگر عرب کا مشرک کہتا تھا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ کیا بہت سے خداؤں کی بجائے ایک ہی خدا بنا دیا ہے۔ یقیناً یہ تو بڑی ہی حیران کن بات ہے، ملاحظہ فرمایا! انداز فکر کے اختلاف نے کیا رنگ دکھایا؟

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور شاہ شہید کے عنوانات پر مولانا مناظر احسن گیلانی کے طویل مقالے بھی موجود ہیں اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی ان حضرات پر کافی لکھا ہے۔ دونوں کے مقالے پڑھ جائیے۔ دونوں کی تحریریں مختلف زاویۂ نگاہ اور جداگانہ انداز فکر کی غمازی کریں گی۔

صفرا کا مریض اگر تلخی کو شیرینی اور شیرینی کو تلخی بتاتا ہے تو یہ اس کی قوتِ ذائقہ کی خرابی ہے۔ اگر اَحول آدمی کو ایک کے دو نظر آتے ہیں تو یہ بھی اس کے حاسۂ بصر کا نقص ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر مولانا مودودی کو علماء امت، مجددین ملت، ائمہ دین اور صحابہؓ تک میں غلطیوں کی ایک فہرست نظر آتی ہے تو یہ اُن کے حاسۂ فکر کی خرابی ہے جس کا مداوا انہیں بروقت کرنا چاہیئے ——— ورنہ تو ——— وہ دن دور نہیں جب کہ اللہ کے برگزیدہ نبیوں (صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین) میں بھی انہیں بشری کمزوریاں نظر آنے لگیں گی اور پھر وہ فرمائیں گے :— "غلط کام بہرحال غلط ہے، خواہ کسی نے کیا ہو ..." نقطۂ عروج کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ درمیانی فاصلہ ایک ہی جست میں طے ہو سکتا ہے ———————

نعوذ باللہ من ذالک

مولانا مودودی ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

"یہ ظاہر ہے کہ عناد کی نگاہ سے دیکھنے والوں کو جب خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی احادیث تک میں ایسے فقرے مل سکتے ہیں جنہیں سیاق عبارت سے الگ کر کے اور توڑ موڑ کر بدترین اعتراضات کا ہدف بنانے کی گنجائش نکل آتی ہیں تو پھر کسی اور کی کیا ہستی ہے کہ اس کی تحریر و تقریر میں اس طرح کے لوگوں کو کہیں سے کچھ ہاتھ نہ آسکے"

(ترجمان القرآن ج ۵ ص ۱۵۴)

بادِنِ تو رے پاؤں رتی۔ بجا ارشاد فرمایا۔ لیکن جناب محترم! کیا جناب کو اطمینان ہے کہ جناب کی نگاہ بالکل صحیح کام کر سکتی ہے؟ کہیں آپ کی نظر کا تو قصور نہیں ہے؟

نَعَايْنُ الرضا عن كل عيب كليلةٌ — كما ان عين السخط تُبدي المساويا

مولانا مودودی کے بارہ میں ایک اندیشہ

قسم بخدا! دل کانپ اٹھتا ہے اور کلیجہ پھٹنے لگتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولانا مودودی منزل بمنزل سفر کرتے ہوئے ہم عصر علماء اور زعماء کی تضلیل و تفسیق سے گذر کر اب صحابہؓ کی تنقیص کرنے لگے ہیں۔ ان کی تنقیدانہ تحریریں جو انبیاء اُمت کے حق میں سوہان روح ہیں تک پہنچ جاتی ہیں، انہیں پڑھ کر یہی اندیشہ گذرتا ہے کہ کہیں مولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مصداق کا نشانہ نہ بن جائیں۔

اذا سمعت الرجل یقول ھلک الناس فھو اھلکھم

(جامع صغیر بحوالہ مسلم، ابو داؤد، موطا امام مالک)

جب تم کسی آدمی کو سنو، وہ کہتا ہو کہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ تو وہ اُن میں سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کی تشریح فرماتے ہیں۔

"اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی جمہور مسلمین اور عام علماء کی مخالفت کرتے ہوئے اُن سے الگ کوئی بات نکال لے اور پھر اُن پر انکار و اعتراض شروع کر دے۔" (مسوّٰی صہ ۲۲۸ ج ۲)

ظاہر ہے کہ یہ حدیث اور شاہ ولی اللہؒ کی تشریح لفظ بلفظ مولانا مودودی پر چسپاں ہوتی ہیں۔

مولانا مودودی نے کچھ عرصہ پہلے تحریر فرمایا تھا۔

"باطل حق کے بھیس میں

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس احسن تقویم پر پیدا کیا ہے، اس کے عجیب کرشموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عریاں فساد اور بے نقاب فتنے کی طرف کم ہی راغب ہوتا ہے اور اس بنا پر شیطان اکثر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے فتنہ و فساد کو کسی نہ کسی طرح صلاح و خیر کا دھوکہ دینے والا لباس پہنا کر اس کے سامنے لائے جنت میں آدم علیہ السلام کو یہ کہہ کر شیطان ہرگز دھوکہ نہ دے سکتا تھا کہ میں تم سے خدا کی نافرمانی کرانا چاہتا ہوں تاکہ تم جنت سے نکال دیئے جاؤ۔ بلکہ اس نے یہ کہہ کر انہیں دھوکا دیا هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ کیا میں تمہیں وہ درخت بتاؤں جو حیاتِ ابدی اور لازوال بادشاہی کا درخت ہے، یہی فطرتِ انسان کی آج تک بھی چل رہی ہے۔ آج بھی حقیقی غلطیوں اور حماقتوں میں شیطان اس کو مبتلا کر رہا ہے، وہ سب کسی نہ کسی پرفریب نعرے اور کسی نہ کسی لباسِ زُور کے سہارے مقبول ہو رہی ہیں۔"

(تفہیمات صہ ۱۵۳ ج ۲)

جب ایک سلیم الطبع آدمی مولانا کی یہ طلسم کاری اور بوقلمونی دیکھتا ہے کہ ایک طرف 'صالح نظام اور اقامتِ دین' کے دلآویز نعرے ہیں اور دوسری طرف ان کا استبداد بالرائے، علماء امت سے تنہائی اور تنقید کے نام پر اکابر امت پر طعن و تشنیع ہے۔ تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا واقعی اِن دعوؤں اور نعروں میں کوئی صداقت ہے یا وہ فریب خوردہ اور فریب دہندہ ہیں۔ یعنی خود تسویلِ نفس کا شکار ہیں اور اب دامِ ہمرنگِ زمین

بچاکر دوسروں کو بچالینے کی سعی کر رہے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جو علمارحق اُن کے رفیقِ سفر بنتے تھے، سب ایک ایک کرکے اُن سے کٹ گئے ہیں؟ کہیں "گندم نما جو فروش" والا معاملہ تو نہیں ہے؟

وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا

ہمارے بعض دوستوں نے اس بات پر بھی خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ مولانا مودودی جہاں اپنے مخالفین کی فہرست پیش کرتے ہیں، باقی سب کے نام لکھے ہیں، اہلِ تشیع کا نام نہیں لیتے[1] اس میں کیا راز ہے؟ ہم اس خدشہ کو قوی نہیں سمجھتے۔ تاہم لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے تو اُنہیں اس بارہ میں اپنی پوزیشن واضح کرنی چاہیئے۔

---

[1] ملاحظہ ہوں ترجمان القرآن جلد ۳۵ عدد ۵/۶ و جلد ۳۶ عدد ۱ و ۲

مولانا مودودی کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"پاکستان سے ہندوستان تک ہر طرف فتووں، پمفلٹوں، اشتہاروں اور مضامین کی ایک فصل اُگ رہی ہے جس میں کمیونسٹ، سوشلسٹ، فرنگیت زدہ ملحدین، قادیانی، منکرینِ حدیث، اہلِ حدیث، بریلوی اور دیوبندی سب ہی اپنے اپنے شگوفے چھوڑ رہے ہیں ...... ہم کہتے ہیں کہ یہ شیطان کی فصل ہے وہی اسے کاٹے گا۔"

مولانا مودودی کے بعض نظریات حدیث سے ٹکراتے ہیں

مولانا مودودی کے بعض نظریات فرامین نبویہ اعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے صاف طور پر متصادم اور مخالف ہیں۔ مثلاً ان کے یہی نظریات لیجئے :-

ا- حضرت عثمانؓ کی پالیسی بلاشبہ غلط تھی۔ اُن کی شہادت اُن کی اپنی غلطیوں اور سیاسی بے تدبیری کا نتیجہ تھی (صد ۱۰۶ تا ۱۱۹)

ب- حضرت عثمانؓ اقربا نواز تھے اور وہ ایسے لوگوں کو آگے لے آئے جو طلقاء میں سے تھے۔

ج- حضرت علی المرتضیٰؓ بھی ایک غلط کام کر گذرے۔ اس لئے وہ بھی غلط کار ٹھہرے صد ۱۴۶

د- مولانا ایک اصول بیان فرماتے ہیں کہ غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ کسی نے کیا ہو اس کو خواہ مخواہ صحیح ثابت کرنا عقل و انصاف کے بھی خلاف ہے اور دین بھی ہم سے اس قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کرتا کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے (صفحہ ۱۱۶)

ہم ان مسائل پر کسی قدر تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ

مولانا، سیدنا حضرت عثمانؓ پر اس انداز سے تنقید کرتے چلے جاتے ہیں کہ گویا وہ اُن پر محاسب اور چیکنگ آفیسر مقرر ہوئے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

الا استحی من رجل تستحی منه الملئكة (صد ۲۷۷ مسلم ج ۲)

کیا میں اس شخص کا لحاظ نہ کروں جس سے فرشتوں کو حیا آتی ہو۔

یہ تو حضرت عثمانؓ کی عمومی منقبت اور فضیلت ہے،

خصوصیت سے یہی مسلہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بحیثیت خلیفہ جو پالیسی اختیار کی تھی کیا وہ درست تھی یا غلط؟ اور آپؓ کو انجام کار جام شہادت جو نوش کرنا پڑا تو کیا وہ آپؓ کی کسی غلط روش کا نتیجہ ہے یا محض اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قضا و قدر کی تکمیل تھی؟ تو اس بارہ میں واضح احادیث موجود ہیں:۔

۱۔ حدیث کی مشہور کتاب ترمذی شریف صہ ۲۱۱ ج ۲ میں حضرت مرہ بن کعبؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے فتنوں کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ وہ بہت قریب ہیں۔ اسی اثنا میں ایک شخص کا وہاں سے گذر ہوا جو کپڑا اوڑھے ہوا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ اس دن راہ راست پر ہوگا۔ میں نے اٹھ کر دیکھا تو وہ عثمان ابن عفان تھے۔ میں نے اُن کا رُخ آپؐ کی طرف کر کے پوچھا کہ یہی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں"

۲۔ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا صہ ۲۰۳ میں یہی روایت ترمذی کے علاوہ مسند احمد کے حوالے سے بھی نقل کی ہے اور اُس میں کچھ زیادہ تفصیل ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

ھذا یومئذ ومن اتبعہ علی الہدی

یہ اور جو ان کے ساتھ ہوں گے، اُس دن راہِ راست پر ہوں گے۔

مرہ بن کعبؓ سے یہ الفاظ سن کر ابن حوالہ ازدی کھڑے ہوگئے اور کہا قسم بخدا اس

مجلس میں مَیں بھی موجود تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ لشکر میں کوئی میری تصدیق کرنے والا موجود ہے تو میں ہی پہلے یہ روایت بیان کرتا۔

۳۔ سنن ابن ماجہ صلا میں کعب بن عجرہؓ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے جس کو شاہ ولی اللہؒ نے بھی مسند احمد کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔ وہ روایت اس طرح ہے کعب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنے کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ وہ قریب ہے اور بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ اتنے میں ایک شخص چادر اوڑھے ہوئے وہاں سے گزرا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ اُس روز حق پر ہوگا۔ میں جلدی سے دوڑ کر گیا اور اُس کے دونوں بازو پکڑ کر پوچھا۔ یا رسول اللہؐ! "یہی"؟ فرمایا "یہی" تو وہ عثمان بن عفان تھے۔

(روایت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ دوسرا واقعہ ہے۔ مرہ بن کعب والا واقعہ دوسرا ہے)

۴۔ مشکوٰۃ شریف صہ ۵۶۲ میں بیہقی کے حوالے سے منقول ہے کہ جب حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں محصور تھے تو حضرت ابوہریرہؓ نے آپؓ سے کچھ بیان کرنے کی اجازت چاہی آپؓ نے اجازت دے دی۔ تو وہ کھڑے ہوگئے اور حمد وثنا کے بعد کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ میرے بعد تمہیں ایک فتنہ اور اختلاف پیش آئے گا۔ لوگوں میں سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اُس وقت ہمارا کون ہوگا؟ یا یوں کہا کہ اس وقت ہمارے لئے کیا حکم ہوگا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم اپنے امیر اور اُس کے ہم نواؤں کے ساتھ رہنا۔ یہ الفاظ حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کر کے کہے۔

ان روایات سے حضرت عثمانؓ کا اپنے طرزِ عمل میں حق بجانب اور راہِ راست پر ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ان میں کوئی نقص ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق علی الھدیٰ اور علی الحق ہونے کا سرٹیفکیٹ نہ دے دیتے اور امت کو قطعاً یہ ہدایت نہ فرماتے کہ تم اس کا ساتھ دینا بلکہ یوں فرماتے کہ "دیکھو عثمانؓ کو خلافت ملے گی تو وہ غلط پالیسی اختیار کرے گا۔ اقربا نواز ہوگا۔ بیت المال میں بے جا تصرف شروع کر دے گا۔ تم اس وقت اپنا امیر تبدیل کر لینا۔"

۵۔ رہی یہ بات کہ حضرت عثمانؓ کو جامِ شہادت پینا پڑا تو یہ ہرگز ہرگز ان کی کسی غلط کاری کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ محض اللہ کی مشیت اور نوشتۂ تقدیر تھا جو پورا ہو کر رہا۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متعدد مواقع پر اس کی بابت پیشینگوئی فرما چکے تھے اور خود انہیں بھی صبر کی تلقین فرما چکے تھے۔ حتیٰ کہ جس روز یہ واقعہ پیش آیا اسی روز بھی حضرت عثمانؓ کو خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخینؓ کی زیارت ہوئی حضورؐ نے فرمایا تم نے روزہ ہمارے پاس کھولنا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"مشہور احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کی کوئی حکمت تھی کہ عثمان ذی النورینؓ کے بارے میں اختلاف ہوگا۔ لوگ انہیں قتل کریں گے اور وہ اُس حادثہ میں حق پر ہوں گے اور ان کے مخالف باطل پر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اتنی وضاحت سے ارشاد فرمادی تھی کہ شرعاً اس سلسلہ میں حجت پوری ہوگئی اور کسی مخالف کو اللہ کے حکم بیان واقعہ بت

کے عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی - اس صراحت فرما دینے کے بعد اگر کوئی چیز پیش آئی تو اس سے عثمان ذی النورینؓ کا دامن ہرگز ملوث نہ ہوگا بلکہ برائی کا چکر اُن کے دشمنوں پر ہی دائر ہوگا "

(ازالۃ الخفا صفحہ ۲۳۹ ج ۲)

حدیث کی کتابوں میں مندرجہ بالا روایات دیکھ لیجئے۔ لفظ لفظ سے حضرت عثمانؓ کی حقانیت اور مظلومیت کا اعلان ہوتا ہے۔ اُن کے مقابل کوئی ضعیف سی روایت ایسی موجود نہیں ہے جس میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہو کہ عثمانؓ غلطی پر ہوں گے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بیسیوں چھوٹے بڑے واقعات کی نشان دہی فرمائی ہے کیا یہی ایک ایسی بات تھی جسے حضورؐ نے پردۂ خفا میں رکھا تھا ؟

اور ذرا یہ بھی تو سوچئے کہ اس سے پہلے بہت سے حضرات انبیا علیہم السلام کو بھی جام شہادت پینا پڑا تو کیا اُن کی شہادتیں بھی اُن کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے وقوع میں آئی تھیں ؟ تو کونسی آفت آگئی ہے کہ آپ سیدنا عثمانؓ پر فردِ جرم لگائے بغیر نہیں رہ سکتے ؟ اور کیسی مصیبت آگئی ہے کہ آپ اپنے دماغ کی ساری توانائیاں اور قلم کا سارا زور، رسول اللہ کے خلیفہ راشد کو ملزم ثابت کرنے میں صرف کر رہے ہیں ؟

دوسرا مسئلہ

ہم مولانا مودودی سے پوچھتے ہیں کہ بقول آپ کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کے جن لوگوں کو حکومت کے مناصب دیئے، اُن کے متعلق اس بات کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ :

"انھوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں"

(خ۔م صفحہ ۱۰۹)

پھر بھی آپ کو حضرت عثمانؓ کی ذات پر "اقربا نوازی" کا اعتراض ہے لیکن جب یہ واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں کہ،

ا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں تو انہوں نے فوراً صدا ماندگی "وَمِن ذُرِّيَّتِي"۔

ب۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت پر سرفراز ہوئے تو فوراً درخواست کی وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي (طٰہٰ: ۲۹۔۳۰)

اے رب، میرے لئے میرے کنبے میں سے ایک وزیر مقرر کر دیجئے، میرے بھائی ہارون کو۔

ج۔ حضرت زکریا علیہ السلام بارگاہ ایزدی میں درخواست پیش کرتے ہیں:

"اے پروردگار! مجھے اپنے پیچھے اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ ہے اور میری عورت بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے پاس سے ایک ایسا وارث عطا کر جو علم و حکمت میں، میرا اور خاندان یعقوب کا وارث بنے"

(مریم: ۵۔۶)

د۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر حضرت عثمانؓ اپنی زوجہ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، کی تیمار داری میں مصروف رہنے کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غنیمت میں سے حصہ بھی دیا

اور یہ بھی فرمایا کہ نہیں لڑائی میں شامل ہونے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔

(بخاری صہ ۴۴۲ ج ۱)

۷- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر فرمایا۔ اور حضورؐ کے سامنے تین آدمیوں کی شکایت کی گئی جن میں سے ایک حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ تھے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں ان سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لے چکا ہوں ــــ اور پھر فرمایا ــــ " اے عمر! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی حیثیت رکھتا ہے؟"

(مشکوٰۃ صہ ۱۵۶، متفق علیہ)

۸- غزوہ بدر کے موقعہ پر جب یہ فیصلہ ہوا کہ قریش کے قیدی فدیہ ادا کر دیں تو ان کو رہا کر دیا جائے۔ اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت ابوالعاص کے فدیہ میں آنحضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے ایک ہار بھجوایا تھا جو انہیں والدہ حضرت خدیجہؓ کی طرف سے جہیز میں ملا تھا۔ اُسے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا " اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کی خاطر اس کے قیدی کو رہا کر دو اور اس کا یہ ہار اسے واپس کر دو" صحابہؓ نے کہا " بہت اچھا"

(ابوداؤد صہ ۱۱ ج ۲)

ان واقعات کو بغور دیکھئے کیا بظاہر ان سے " اقربا نوازی" کی جھلک نہیں آتی؟ اگر اقربا نوازی ہر صورت میں ناجائز ہے تو مولانا مودودی کو ان تمام واقعات کا جواز ثابت کرنا پڑے گا ــــ ہمارے نزدیک وہ اخلاقی تقدیس ہی دراصل نظر ثانی کی

محتاج ہیں جو اس زمانہ کے دانشوروں نے مقرر کر لی ہیں۔ خلیفہ یا حاکم وقت کا قرابت دار ہونا کوئی جرم نہیں ہے جس کی پاداش میں ایک شخص کو جائز رعایت اور واجبی حقوق سے بھی محروم کر دیا جائے۔ وَمَنِ ادَّعٰی فَعَلَیْهِ الْبَیَان۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اموی خاندان کے اکابر کو مختلف عہدوں پر تعینات کرنا آپ کی نگاہوں میں کھٹکتا ہے اور آپ اسے خویش نوازی سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن آپ ان حقائق کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں کہ :-

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے :

اَلنَّاسُ معادنُ کمعادنِ الذّھب والفضّة، خیارُھم فی الجاھلیة خیارُھم فی الاسلام اِذا فقھوا (مسلم)

لوگ بھی اس طرح کانیں ہیں جس طرح کہ سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں۔ جو دورِ جاہلیت میں اُن میں سے اچھے ہوتے ہیں۔ جب وہ دین کو سیکھ لیتے ہیں، تو وہی اسلام میں اچھے ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں قرنِ اوّل کی تاریخ میں مل سکتی ہیں۔ اُحد کے میدان میں خالدؓ بن ولید نے جو کچھ کیا تھا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے لیکن یہی خالد بن ولید ہیں جن کا لقب بعد میں "سیف اللہ" ہوا۔ رضی اللہ عنہ

جن ہاتھوں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، انہی کے حصہ میں بعد میں مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کرنے کی سعادت آئی۔

ابوجہل کے لڑکے عکرمہؓ فتح مکہ سے پہلے جو کچھ کرتے رہے جو ابوجہل کے لڑکے کو کرنا چاہیئے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہی عکرمہ عہدِ صدیقی میں اسلامی فوجوں کی قیادت

فرماتے ہیں۔ رضی اللہ عنہ ———

"بات دراصل یہ ہے کہ گاڑی کا انجن بہر حال پوری قوت کا مالک تھا۔ پہیئے بالکل درست تھے۔ سوال تو صرف لائن کا تھا۔ پہلے انجن کا رخ غلط سمت کو تھا۔ اُسے ٹھیک کر دیا گیا تو گاڑی ٹھیک لائن پر آگئی۔ اب منزل مقصود پر پہنچنے میں کیا دیر تھی؟

اولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ ط

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بھی یہی رہا کہ سیاسی خدمات کی تفویض میں ہمیشہ اہلیت اور سیاسی قابلیت کو مدنظر رکھا۔ چنانچہ مختلف علاقوں میں سے جب کوئی علاقہ فتح ہوا اور اس کا حاکم مشرف با سلام ہوا تو اسی کو وہاں کی عملداری سونپ دی۔ جیسے شہر بن باذان حاکم یمن کو قائم رکھا۔

۳۔ رؤساء بنی امیہ، رموزِ مملکت اور اسرارِ جہانبانی کے جاننے والے تھے۔ وہ لوگ اپنی صلاحیتوں کی بنا پر اس بات کے مستحق تھے کہ اُن کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جاتا چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ اعزازات عطا فرمائے۔

الف۔ فتح مکہ کے روز جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدودِ کعبہ اور حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں داخل ہونے والوں کے لئے "امان" کا اعلان فرمایا وہاں یہ بھی فرمایا گیا کہ جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں چلا جائے اُسے بھی امان ہے۔

ب۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ پر عتابؓ بن اسید اُموی کو مقرر فرمایا۔

ج۔ شہر بن باذان کے قتل کے بعد صنعا (یمن) پر خالدؓ بن سعید بن عاص کو متعین فرمایا۔

د۔ تیما پر حضرت ابوسفیانؓ کے صاحبزادے یزیدؓ کو مامور فرمایا۔

۲۔ بعض علما کہتے ہیں کہ نجران کی حکومت حضرت ابوسفیانؓ کے حوالہ کی۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے بھی اُموی سرداروں کو مختلف مناصب جلیلہ پر تعینات فرمایا

تو اب سوال یہ ہے کہ ان تمام واقعات کے باوجود حضرت عثمانؓ کے کردار کو کیوں مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے؟ جب کہ ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم | جنید و شبلی و عطار ہم مست

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کے علاوہ ترمذی کی ایک حدیث صریح طور پر حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل کو درست قرار دیتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی

اَللّٰهُمَّ اِذْ قْتَ اَوَّلَ قُرَیْشٍ نَکَالًا فَاَذِقْ آخِرَهُمْ نَوَالًا۔

(ترمذی ص ۲۳۰ ج ۲)

اے اللہ! تُو نے قریش کے پہلے لوگوں کو سامانِ عبرت بنایا تو اُن کے پچھلے لوگوں کو اپنے عطیہ سے ممنون کر۔

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اُن لوگوں کے بارہ میں ہے جو طلقا کہلاتے ہیں اور فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ تو در حقیقت اُن کو اچھے اچھے مناصب کا ملنا دراصل اس دعا کی مقبولیت کی عملی صورت تھی[1]۔ اب اگر کسی کو یہ بات ناگوار گذرتی

---

[1] اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے آنحضرتؐ نے اپنے بارے میں فرمایا:
اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ۔

ہے تو گذرتی رہے۔ ؎ دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام

حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
اے شیخ پاک دامن، معذور دار مارا

مولانا مودودی کو حضرت عثمانؓ کی داد و دہش پر بھی سخت اعتراض ہے۔ اس سلسلہ میں ہم قارئین کو تین چیزوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اول: یہ کہ حضرت عثمانؓ خود بڑے غنی تھے۔ مکہ میں تھے تو وہاں کے اغنیاء اور رؤساء میں شمار ہوتے تھے۔ مدینہ آئے تو یہاں بھی اُن کے تموّل میں فرق نہ آیا۔ میٹھے پانی کے لئے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ رُومہ کا میٹھا کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا اس سے بیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا۔[1] مسجد نبوی میں اضافہ کی ضرورت ہوئی تو قطعہ خرید کر اس میں ملایا جس پر بیس یا پچیس ہزار کا مصرف ہوا۔[2] جنگ تبوک کے موقعہ پر بارگاہِ رسالت سے چندے کی اپیل ہوئی تو انہوں نے اپنا وہ سارا مال جو تجارت کے لئے شام روانہ کرنے والے تھے، پیش کر دیا۔ نو سو اونٹ، سو گھوڑے[3] اور ایک ہزار دینار طلائی اس میں شامل تھے۔[4] ترمذی میں ہے کہ جب غزوۂ عسرت

---

[1] استیعاب ابن عبد البر ج ۱ ص ۴۶۹ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ۳۵ ہزار درہم مرقوم ہے
[2] شرح مشکوٰۃ [3] تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں، ابن عبد البر نے استیعاب میں ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے لکھے ہیں۔
[4] و [5] یہ دونوں روایتیں مشکوٰۃ ص ۵۶۱ میں موجود ہیں۔

کی تیاری کے سلسلہ میں اونٹوں کی پیش کش کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ بن سو تک پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آج کے بعد عثمانؓ جو کچھ کرے اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔" اور مسند احمد[۵] میں ہے کہ جب انہوں نے ایک ہزار دینار لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیئے۔ آپؐ انہیں الٹ پلٹ کرتے رہے اور دو دفعہ فرمایا: "آج کے بعد عثمان کچھ کرلے اُسے اُس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" ـــــ تعجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے بارہ میں پیشگی عفو عام کا اعلان فرما چکے ہیں، وہ اگر بعد میں اپنی جوّاد اور فیاض طبیعت کے مقتضا پر عمل کرتا ہے تو اُسے قصور وار ٹھہرایا جاتا ہے۔ فوا ویلاہ!

دوم۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مثالیں تو رفاہی امور میں خرچ کرنے کی ہیں اور جیب خاص سے۔ لیکن اس کی تو کوئی وجہ نہیں کہ اُموی خاندان کو بیت المال کی آمدنی کا بھی مستحق قرار دے دیا جائے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت اُمویوں پر انعامات کی بارش نہیں فرمائی تھی؟ جنگ ہوازن کے بعد غنائم تقسیم فرمائیں تو کئی آدمیوں کو سو سو اونٹ مرحمت فرماتے انصار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرانے جان نثار اور خدمت گذار تھے، انہیں کچھ نہ ملا[۶] جس کی وجہ سے چھوٹے درجہ کے بعض لوگوں کو رنج ہوا اور انہوں نے اس کا اظہار زبان سے بھی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی اطلاع پہنچی تو حضورؐ نے ایک دل لرزا دینے والا خطبہ ارشاد فرمایا جس کو سُن کر یہ حال

---

[۵] کے لئے دیکھئے گذشتہ صفحہ   [۶] صحیح بخاری صہ ۶۲۰ ج ۲

ہوا کہ روتے روتے انصار کی داڑھیاں تر ہوگئیں[1]۔

سوم۔ مولانا مودودی نے مروان کو دی گئی رقم ۵ لاکھ دینار لکھ کر حضرت عثمانؓ پر اپنے اعتراض کو وزنی بنانے کی کوشش کی ہے تو یہ مان لینے کے بعد کہ یہ تاریخی روایت بالکل صحیح ہے، آپ کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں دولت کی بڑی فراوانی تھی۔ ایک گھوڑا ۱ لاکھ درہم میں اور ایک کھجور کا درخت ہزار درہم میں بکتا تھا[2]۔ انہی ایام میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا انتقال ہوا۔ اُن کی چار بیویاں تھیں۔ ہر بیوی کو جائداد کا $\frac{1}{32}$ حصہ بطور میراث آتا تھا۔ ایک بیوی نے اپنا پورا حصہ لینے کی بجائے کچھ رقم لے کر صلح کر لی تھی وہ رقم ۸۳ ہزار تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں دینار اور بعض کہتے ہیں درہم[3]۔ انہی حضرت عبدالرحمٰنؓ نے وصیت کی تھی کہ میرے ترکہ کی تہائی میں سے ہر بدری صحابی کو چار چار سو دینار دیئے جائیں۔ اُس وقت ایک سو کے قریب بدری صحابہؓ موجود تھے[4]۔ خود سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ثروت کا یہ عالم تھا کہ جس روز آپؓ کی شہادت ہوئی، آپؓ کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار طلائی اور دس لاکھ درہم نقرئی نقد موجود تھے۔ وادی القری اور حنین وغیرہ میں آپؓ کی زمین دو لاکھ دینار کی تھی۔ بڑی تعداد میں اونٹ اور گھوڑے تھے۔ حضرت طلحہؓ کو عراق کی زمین سے ایک ہزار دینار یومیہ آمدنی ہوتی تھی۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے زمینوں اور دوسری جائداد کے علاوہ سونا چاندی

---

[1] سیرۃ النبی صہ ۵۳۵ ج ۱ [3] شریفیہ شرح سراجیہ صہ ۲،

[2] استیعاب ابن عبدالبر صہ ۴۸۹ ج ۱ [4] تدوین حدیث مولانا گیلانی صہ ۳۱

اتنا چھوڑا کہ بھوڑوں سے توڑ توڑ کر اسے بانٹا گیا[1] آمدنی کی مداستی وسیع تھی کہ افریقہ کی یہی جنگ[2] جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تعینات فرمودہ گورنر مصر، حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ[3] کی قیادت میں فتح ہوئی اور اس کی غنائم کے خمس کے سلسلے میں مودودی صاحب نے طوفان برپا کر دیا ہے، اس میں غنیمت کا مال اس قدر آیا کہ پوری فوج کے ہر گھوڑ سوار سپاہی کو تین تین ہزار دینار اور ہر پیادہ مجاہد کو ایک ایک ہزار اشرفی ملی[1]

---

[1] یہ تمام اعداد و شمار مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۴ سے لئے گئے ہیں۔

[2] عجیب اتفاق ہے کہ اس جنگ میں سالار اعلیٰ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضؓ، میمنہ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ، میسرہ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مقدمہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ اس لئے عرب مورخین اسے "حرب العبادلہ" کہتے ہیں۔

[3] یہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں۔ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی سفارش سے ان کی جان بخشی ہوئی اور اس کے بعد ان کے حالات کیونکر رہے، ابن عبدالبر کی زبانی سنئے:

عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور پھر اُن کا اسلام پختہ ہوگیا۔ اُن کی طرف سے اس کے بعد کوئی قابل اعتراض چیز پیش نہ آئی۔ وہ قریش کے نجیب، عقل مند اور بڑے لوگوں میں سے ہیں۔" استیعاب ص ۳۹۴ ج ۱

مگر مولانا مودودی کو ایسی عبارتیں کیوں نظر آئیں؟ وہ تو اعتراض کرنے پر ادھار

باقی ص ۵۲ پر ملاحظہ فرمایئے

دولت کی اس ریل پیل میں اور فارغ البالی کے اس عالم میں اگر خلیفۂ راشدؓ نے داد و دہش میں فیاضی سے کام لیا تو کوئی اس پر ناک بھوں کیوں چڑھاتا ہے؟

اگر مولانا مودودی کی نظر کتب حدیث کی اُن روایات تک نہیں پہنچی جو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بَری اور بے داغ ٹھہراتی ہیں تو کم از کم وہ استیعاب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول دیکھ لیتے:

"لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر بعض ایسے امور کا اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ وہ کام کرتے تو اُن پر کوئی اعتراض نہ ہوتا"۔ [۱]

مطلب یہ ہے کہ فی الواقع وہ امور قابل اعتراض نہیں تھے؛ لوگوں نے خواہ مخواہ طعن شروع کر دیا۔ یہ بھی معلوم رہے کہ یہ حضرت عبداللہؓ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ اُن کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس امر سے لگ سکتا ہے کہ جب سیدنا فاروق اعظمؓ نے وفات سے قبل چھ آدمیوں کو نامزد کر کے فرمایا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ چُن لیا جائے تو حضرت عبداللہؓ کے بارے میں فرمایا یہ تمہارے ساتھ موجود رہیں گے اور اگر تم میں اختلاف رائے ہو جائے کہ تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲ کھائے ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہؓ بن سعد کے بارے میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا نام لیتے ہوئے جل بھن جاتے ہیں۔ غضب ہے کہ اُن کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ تک کی رمز نہیں دیتے۔ خدایا! تیری پناہ!!

[۲] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۳۲ ج ۲

[۱] استیعاب صفحہ ۴۸۹ ج ۱

طرف، تو عبداللہؓ کو حکم بنالیں اور اس کے بعد جب سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان محاکمہ کے لئے دومۃ الجندل میں حکمین کا اجتماع ہوا تو اس وقت بھی خلافت کے لئے آپ کا نام لیا گیا۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں:-

"وہ اُن افراد میں سے تھے جو خلافت کا بوجھ سنبھال سکتے تھے"

(تذکرۃ الحفاظ صہ ۲۵ ج ۱)

اور حدیث و سیر کی کتابوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے سلسلہ میں اکثر "وکیل صفائی" کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حج کے موقعہ پر ایک مصری نے اُن کے سامنے حضرت عثمان پر چند اعتراضات پیش کئے۔ اُنہوں نے ان کے اطمینان بخش جواب دینے کے بعد آخر میں فرمایا:-

إِذْهَبْ بِهَا الْآنَ مَعَكَ

"اب یہ بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ" (صحیح بخاری صہ ۵۲۳ ج ۱)

لے قدرت کا کرشمہ کہئے یا حضرت عثمانؓ کی کرامت، کہ مولانا مودودی حضرت عثمانؓ کے خلاف بلوائیوں کی شکایات کو "فنی بنانے اور اُن کی بے چینی کے اسباب ڈھونڈ نکالنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بارہ صفحات سیاہ کر ڈالتے ہیں اور پھر خود ہی فرماتے ہیں:

"انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد یا ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے معقول جوابات دیئے جا سکتے تھے اور اور بعد میں دیئے بھی گئے . . . . حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی" (خ-م صہ ۱۱۷)

تیسرا مسئلہ

اب تیسرا مسئلہ لیجئے۔ مولانا مودودی نے اپنی عادت کے مطابق سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بھی معاف نہیں کیا اور تاریخی سمندر کی انتہا تک پہنچ کر جناب موصوف کے بارہ میں ایک بات ایسی ڈھونڈھی لائے ہیں جس کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ اسے غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۳۔

ع ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

قربان جائیے اس تاریخ دانی اور مجتہدانہ ذوق پر۔ احادیث نبویہ اعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پکار پکار کر شیر خدا کو بے داغ قرار دے رہی ہیں اور مولانا مودودی اپنی دھن میں مگن ہیں۔ "... یہ صحیح ہے کہ حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ جو غیر معصوم ہو، خواہ مخواہ اُس کی زندگی کو آلودہ اور ملوث ٹھہرا یا جائے۔ اگر صوفیاکرام کی اصطلاح "محفوظ" آپ نے نہیں سنی، تو کم از کم کتب حدیث ہی کو اٹھا کر "مناقب علیؓ" کا باب پڑھ لیا ہوتا۔

ـــہ کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ کے بارہ میں چند احادیث ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

القرآنُ مع علی و علیٌّ مع القرآن و لن یتفرقا حتیٰ یردا علیّ الحوض

قرآن علیؓ کے ساتھ ہے اور علیؓ قرآن کے ساتھ ہیں۔ یہ دونوں کبھی جدا نہ

ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوض (کوثر) پر آ پہنچیں گے۔

(ازالۃ الخفاء بحوالہ حاکم و معجم طبرانی، جامع صغیر صہ ۶۶ ج ۱)

۲: رَحِمَ اللّٰہُ عَلِیًّا اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ

(ترمذی صہ ۲۱۳ ج ۲)

اللہ علی رضؓ پر رحم کرے، اے اللہ! تو حق کو اُس کے ساتھ رکھ جس طرف بھی وہ رُخ کرے۔

۳: ترمذی ہی میں ایک طویل روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو سالار فوج بنا کر بھیجا تو وہاں ایک ایسی بات پیش آئی جس پر چند لوگوں کو اعتراض تھا۔ صحابہؓ میں سے چار آدمیوں نے طے کیا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے تو آپ کو بتائیں گے کہ علی رضؓ نے کیا کیا ہے چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور ایک آدمی نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! دیکھئے علی رضؓ نے ایسا کام کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے منہ پھیر لیا، پھر دوسرے نے اُٹھ کر وہی بات کہی تو آپ نے اُس سے بھی اعراض فرمالیا۔ پھر تیسرا اٹھا تو اُس سے بھی حضور نے روگردانی فرمائی، چوتھا اٹھا تو اُس نے بھی وہی بات دہرائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپؐ کے چہرے پر غضب کے آثار تھے اور تین دفعہ فرمایا: تم علی رضؓ سے کیا چاہتے ہو[1] علی رضؓ مجھ سے ہیں اور میں علی رضؓ سے ہوں۔ وہ میرے بعد ہر مسلمان کے دوست ہیں۔ (ترمذی، اور مختصراً یہ روایت بخاری صہ ۲۳ ۶ ج ۲ میں بھی موجود ہے۔

---

[1] مسند احمد میں ہے "تم علی رضؓ کو چھوڑ دو، علی رضؓ کو چھوڑ دو" حاشیہ ترمذی ۲/۲۱۳

ان واضح احادیث کو پڑھ کر قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ راشد، جن کی زندگی بے داغ اور جن کی پیروی اور تقلید ہی راہِ نجات ہے اُن پر مولانا مودودی کس طرح بے باکانہ اور بے جھجک تنقید کرتے ہیں۔ کیا چودھویں صدی کے کسی مسلمان کو اچھا ہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، یہ زیب دیتا ہے کہ وہ خلیفۂ راشد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے متعلق اس آزادی سے فیصلہ دے۔ ہم مولانا کو اُن کے اپنے الفاظ میں بتاتے ہیں کہ:

"جن معاملات میں خدا اور رسول اپنا فیصلہ دے چکے ہیں، اُن میں کوئی مسلمان خود آزادانہ فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور اس فیصلے سے انحراف ایمان کی ضد ہے۔" (خ - م صہ ۳۱)

مولانا مودودی نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر جو اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنگِ جمل کے بعد انہوں نے قاتلینِ عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا اور وہ اس "جُرم" کی اہمیت اور عظمت ان لفظوں میں ظاہر فرماتے ہیں:

"یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے"

اور چند سطور کے بعد پھر فرماتے ہیں:

"یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں"

اس اعتراض کا جواب تفصیل طلب ہے۔ یہاں پر مولانا مودودی کی اپنی اسی کتاب سے ایک اقتباس کو نقل کر دینا کافی ہوگا ــــــــــ مولانا نے اخیر کتاب میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح فقہ اکبر کا ایک طویل اقتباس درج کیا ہے جس کو وہ

"قابلِ دید" بھی قرار دیتے ہیں اور مزید فرماتے ہیں :

اس بحث سے پوری شرعی پوزیشن کھل کر سامنے آجاتی ہے اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت اور اُن کے مخالفین کے معاملہ میں اہل السنت کا اصل مسلک کیا ہے " صفحہ ۳۴۳

شرح فقہ اکبر کی اس مذکورہ بالا عبارت میں چند مسائل سامنے آئے ہیں جن میں سے ایک زیر بحث مسئلہ ہے اس کے متعلق مصنف فرماتے ہیں :

" رہی یہ بات کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قتل نہیں کیا، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ (محض قاتل نہ تھے بلکہ) باغی تھے۔ باغی وہ ہوتا ہے جس کے پاس طاقت بھی ہوتی ہے اور اپنے فعل بغاوت کے جواز کی تاویل بھی، چنانچہ وہ لوگ طاقت بھی رکھتے تھے اور تاویل بھی پیش کرتے تھے۔ اُن کو حضرت عثمانؓ کے بعض کاموں پر اعتراض تھا اور اُن کی بنا پر وہ اپنی بغاوت کو حلال قرار دے رہے تھے اس قسم کے باغیوں کا حکم شریعت میں یہ ہے کہ اگر وہ امام اور اہل عدل کی اطاعت قبول کرلیں تو پہلے جو کچھ بھی وہ اہلِ عدل کی جان ومال کا نقصان کر چکے ہوں اُس پر اُن سے مواخذہ نہ کیا جائے۔ اس بنا پر ان کو قتل کرنا یا انہیں قصاص کا مطالبہ کرنے والوں کے حوالے کرنا حضرت علیؓ پر واجب نہ تھا اور جو فقہا یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایسے باغیوں کا مواخذہ واجب ہے وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ امام کو انہیں اس وقت پکڑنا چاہئیے جب اُن کا زور ٹوٹ جائے اور اُن کی طاقت منتشر ہوجائے۔ اور امام کو یہ اطمینان ہوجائے کہ پھر فتنہ سر نہ اٹھائے گا۔ حضرت علیؓ کو ان امور میں سے کوئی بات بھی حاصل نہ تھی "

(خلافت و ملوکیت صہ ۲۴۰ - ۲۴۱ بحوالہ شرح فقہ اکبر)

ایک سلیم الطبع اور مستقیم العقل انسان کے لئے یہ بات کافی ہے۔ اب ہم یہ سوچتے ہیں کہ مولانا مودودی نے اس کے باوجود اپنا اعتراض قائم رکھا ہے تو اس کی کیا وجہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ اعتراض لکھتے وقت یہ عبارت اُن کے سامنے نہ ہو بعد میں اس پر اطلاع ہوئی ہو تو وہ ضمیمہ میں اس کی صفائی فرما دیتے[1] مگر انھوں نے ایسا بھی نہیں کیا کیا ہم مولانا کے بارے میں نہیں کہہ سکتے کہ

"یہ اُن کی ایسی کوتاہی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے اور انھوں نے ایک ایسا کام کیا ہے جسے غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

---

[1] اور یہ بھی ممکن ہے، ممکن ہی نہیں بلکہ واقعہ ہے، کہ مغالطے اور اعتراضات کا پورا سلسلہ مولانا کی اس قوتِ اجتہادیہ کے کرشمے ہیں جس کے متعلق وہ تجدید و احیائے دین میں فرماتے ہیں:

"اس وقت کے حالات میں شاہراہِ عمل تعبیر کرنے کے لئے ایسی مستقل قوتِ اجتہادیہ درکار ہے جو مجتہدینِ سلف میں سے کسی ایک کے علوم اور منہاج کی پابند نہ ہو"

اسی قوتِ اجتہادیہ کی بدولت اُن کا یہ اصول بن چکا ہے کہ جس عظیم سے عظیم شخصیت کو بھی موضوع بنایا اُس کو چھوڑا نہیں ہے۔

چوتھا مسئلہ

کتب حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات کے دوران ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ انصار کی ایک مجلس سے گذرے۔ وہ لوگ رو رہے تھے پوچھا، تم روتے کیوں ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی کو یاد کرکے رو رہے ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ کے پاس گئے اور آپؐ کو یہ بات بتائی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کو چادر کے کنارے سے باندھے ہوئے باہر تشریف لائے، منبر پر چڑھ گئے، اور منبر پر یہ آپؐ کی آخری تشریف آوری تھی۔ اس روز کے بعد پھر آپ نے منبر کو شرف نہ بخشا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

اُوصیکم بالانصار، فانہم کرشی وعیبتی وقد قضوا الذی علیہم وبقی الذی لہم فاقبلوا من محسنہم وتجاوزوا عن مسیئہم۔

(بخاری ص۵۳۶ ج ۱، مسلم ج ۲، ترمذی ص ۲۳۰ ج ۲)

میں تمہیں انصار کے متعلق وصیت کرتا ہوں، وہ میرے ساتھی اور رازدار ہیں، جو کچھ ان کے ذمہ تھا وہ ادا کر چکے ہیں۔ ان کا حق باقی رہ گیا ہے تو تم ان کے نیکوکار سے قبول کرو اور غلطی کرنے والے سے درگذر کرو۔

اسی طرح سیدنا فاروق اعظمؓ نے بھی اپنی وفات سے پہلے فرمایا تھا:

"جو شخص میرے بعد خلیفہ بنے، میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کا حق پہچانے اور ان کا احترام ملحوظ رکھے۔ میں اسے انصار کے بارہ میں بھلائی کی

وصیت کرتا ہوں جنہوں نے کہ اُن کے نیکوکار سے نیکی، قبول کرے اور اُن کے غلط کار کو معاف کر دیا جائے۔" (بخاری صہ ۲۴ ۵ ج ۱)

اب ہم مولانا مودودی سے پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت دین ہے یا نہیں۔ اگر یہ دین ہے تو بتائیے وہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ ان دونوں روایتوں کا تعلق بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔ ہم اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو بجائے خود رہے، دین ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے[1] کہ ہر وہ شخص جو ذی حیثیت اور نیک و با مروت ہونے کی وجہ سے کچھ مقام رکھتا ہو۔ اگر اُس سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس کے بارہ میں نرمی اور تسامح سے کام لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقیلوا ذوی الهیئات عثراتهم الا الحدود

(مشکوٰۃ صہ ۱۱۲ بحوالہ ابو داؤد)

نیک لوگوں کے بارہ میں حدود کے ماسوا دوسری کوتاہیوں سے درگذر کیا کرو۔"

فرمائیے! اب بھی آپ کے بے جا تشدد اور زیادتی کی کوئی وجہ جواز باقی رہ گئی ہے۔

ع برو این دام بر مرغ دگر نہ!
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

---

[1] قارئین کے اضافہ معلومات کے لئے ہم نے یہاں پر مختصراً اس موضوع کو چھیڑ دیا ہے ورنہ تو اس بارہ میں واضح احادیث پہلے بھی گذر چکی ہیں اور آئندہ اوراق میں بھی یہی مسئلہ زیر بحث آئے گا۔

سنگ دلی کی انتہا

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے جو بیعت لی تھی اُس کا موجب وہ افواہ تھی جو حضرت عثمانؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تھی کہ اُنہیں مکہ میں شہید کر دیا گیا ہے [1] پورا واقعہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے! ہم قارئین کو صرف چند نکات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک 'خونِ عثمان' اتنا قیمتی تھا کہ حضورؐ جہاد کے لئے تیار ہو گئے اور ڈیڑھ ہزار صحابہؓ سے بھی بیعت لی ؎

اشک آلود ہوئی میرے لئے چشمِ جمال
مجھ سا دنیائے محبت میں گنہگار نہیں!

- ڈیڑھ ہزار صحابہؓ نے 'خونِ عثمانؓ' کو اتنا قیمتی قرار دیا کہ جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بہت سے صحابہؓ راوی ہیں کہ ہم نے مر جانے پر بیعت کی تھی۔
- بیعت کے بعد جہاد کی نوبت نہیں آئی لیکن یہ بیعت ہی اللہ کے نزدیک اتنی مقبول ہوئی کہ اس کے صلہ میں صحابہ کرامؓ کو لقد رضی اللہ عن المومنین الخ کا اعزاز عطا فرمایا گیا ——— اور یہ وہ اعزاز ہے جو کوئی تیرہ بخت ان سے چھین نہیں سکتا۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیعت کا صلہ یہ عطا فرمایا کہ اعلان

[1] سیرۃ النبی ج ۲ ص ۴۵۹

فرمادیا :

لَن یلج النار احدٌ شہد الحدیبیۃ

کوئی شخص جو حدیبیہ میں موجود تھا دوزخ میں نہیں جائے گا۔

اللہ اللہ! ایک طرف خونِ عثمانؓ، خدا، اُس کے رسولؐ اور اصحاب رسول کے نزدیک اتنا گراں بہا اور بیش قیمت ——— اور دوسری طرف ——— مولانا مودودی یہ کہہ کر اُس کو ارزاں بنا دیتے ہیں کہ

ا: حضرت عثمانؓ کی اپنی پالیسی لوگوں کے لئے بے اطمینانی کا باعث بنی تھی۔ (ص۱۱۲)

ب: خلیفۂ وقت کا اپنے خاندان کے آدمیوں کے پے در پے مملکت کے اہم ترین مناصب پر مامور کرنا بجائے خود کافی وجہ اعتراض تھا۔ (ص۱۱۲)

ج: اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں بڑے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔ (ص۱۱۲)

د: حضرت عثمانؓ کی پالیسی بلاشبہ غلط تھی اور اس کو خواہ مخواہ صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا عقل و انصاف کے تقاضے کے خلاف ہے۔ (ص۱۲۲)

ہ: حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کی شکایت وزنی تھی۔ (ص۱۲۲)

اور پھر جو لوگ قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ کر اُٹھے، اُن کے متعلق مولانا مودودی انکوائری مکمل کرنے کے بعد یہ رپورٹ دیتے ہیں کہ انہوں نے غیر قانونی روش اختیار کی؛ بالخصوص حضرت معاویہؓ نے تو خالص جاہلیت قدیمہ کے طرز پر عمل کیا اس لئے وہ سب لوگ غلط کار اور مجرم ہیں۔ مولانا مودودی کی یہ انکوائری رپورٹ احکم الحاکمین کے پاس پہنچ چکی ہے۔ دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

آیئے، خونِ عثمانؓ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے ذرا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی بھی سن لیجیے۔ جنگ جمل کے دن آپ کہتے تھے :۔

"اے اللہ! میں تیرے سامنے خونِ عثمانؓ سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ اس روز میرے ہوش اڑ گئے تھے اور میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ لوگوں نے مجھ سے بیعت لینے کو کہا تو میں نے جواب دیا کہ بخدا، مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ وہ عثمانؓ جن سے فرشتوں کو شرم آتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کا لحاظ فرماتے ہوں، وہ شہید ہو کر بے گور و کفن پڑے ہوں اور میں بیعت لے لوں۔ لوگ واپس ہو گئے۔ جب عثمانؓ دفن ہو گئے تو وہ پھر آ گئے اور بڑے اصرار کے ساتھ مجھ سے بیعت کی درخواست کی۔ میں نے کہا اے اللہ! مجھے ان زیادتیوں سے ڈر لگتا ہے جو لوگوں نے عثمانؓ کے ساتھ کیں۔ بہرحال ان کے شدید اصرار پر میں نے بیعت تو قبول کر لی۔ جب انہوں نے مجھے امیر المومنین، کہہ کر پکارا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پھٹا جاتا ہے"

(ازالۃ الخفاء ج۲ ص۲۳۸ و تاریخ الخلفاء ص۱۲۵ بحوالہ حاکم)

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تو یہاں تک فرما چکے ہیں :۔

"اگر لوگ خونِ عثمانؓ کا مطالبہ نہ کرتے تو آسمان سے ان پر سنگ باری ہوتی"

(تاریخ الخلفاء ص۱۲۵ بحوالہ ابن عساکر)

ظالمو! کیا اب بھی تم خلیفۂ مظلوم کا خون بہانے والوں کی شکایات کو وظیفہ بناتے جاؤ گے؟

؎ تر دامنی پہ، شیخ! ہماری نہ جائیو ۔ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

خیالات کا طرفہ معجون

مولانا مودودی کو صحابہؓ کی پالیسی پر اعتراض ہے۔ ہماری سمجھ میں اُن کی روش نہیں آتی کہ وہ متضاد خیالات کیوں پیش کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ صحابہؓ کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔ دوسری طرف اُسے لاگ تنقید کے نشتہ میں اُن کے بارہ میں گستاخیوں پر اتر آتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ا۔ خلافت راشدہ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

"خلافتِ راشدہ، محض ایک سیاسی حکومت نہ تھی، بلکہ نبوت کی مکمل نیابت تھی .... یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ صرف خلافت راشدہ ہی نہ تھی بلکہ خلافتِ مرشدہ بھی تھی" (ج ۳ ص ۱۰۵)

اور اس کے بعد جو پلٹا کھایا ہے تو ایک درجن صفحات حضرت عثمانؓ خلیفۂ راشد سوم کی برائیاں گنوانے میں خرچ کر دیئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں صفحات ۱۰۵ تا ۱۱۶[لہ] پھر اُن سے فارغ ہونے تو خلیفۂ راشد چہارم حضرت علی المرتضیٰؓ کی "خبر لینے" میں مصروف ہوگئے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۶ سبحان اللہ!

پڑھنے والا آدمی سوچتا ہے کہ کیا یہی نبوت کی مکمل نیابت ہے؟ اور اسی کا نام خلافت

لہ صفحات ۳۲۱ تا ۳۳۵ بھی حضرت عثمانؓ کی خبر گیری ہی میں صرف ہوئے۔

راشدہ ہی نہیں بلکہ خلافتِ مرشدہ اور خلافت علی المنہاج النبوت ہے؟

ان اوراق کا مطالعہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی مدِ نظر رہے جو حضورؐ نے ایک وعظ کے دوران فرمایا اور وعظ بھی کیسا؟ صحابہؓ کہتے ہیں کہ وہ وعظ بڑا بلیغ اور پُر اثر تھا جس کی وجہ سے آنکھیں اشکبار تھیں، دلوں میں خوفِ خدا کے جذبات موجزن تھے۔ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہؐ! یہ تو ایسا وعظ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپؐ ہمیں داغِ مفارقت دینے والے ہیں تو ہمیں کچھ وصیت فرما دیجئے۔ ارشاد فرمایا:

أُوصِيكُم بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَن يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۹، ۳۰ بحوالہ احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

"میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، اپنے امیر کی بات سننا اور اُس کو ماننا، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔ تم میں سے میرے بعد جو زندہ رہ جائے گا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا۔ تو تم میرے طریقہ اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہوں گے کی روش (پالیسی) کو لازم پکڑنا، اُس کے ساتھ چمٹ جانا اور اُسے دانتوں سے قابو کر لینا؛ نئی نئی نکلی ہوئی باتوں سے بچنا، کیونکہ ہر نئی نکلی ہوئی چیز بدعت ہوگی اور ہر بدعت گمراہی ہوگی۔

اس حدیث میں تصریح موجود ہے کہ خلفاء راشدین راہ ہدایت پر ہوں گے، اُن کا طرزِ عمل بجائے خود معیارِ حق ہوگا اور اُس کے بالمقابل جو بات نکالی جائے گی خواہ وہ بظاہر کتنی ہی دلفریب اور رُوح پرور ہو، درحقیقت گمراہی ہوگی۔

۲۔ مولانا مودودی، حضرت معاویہؓ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"حضرت معاویہؓ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرفِ صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ اُن کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ وسیع کیا" صہ ۱۵۳

اور اس کے ساتھ ہی اُن کے جرائم کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جو چالیس سے زائد صفحات میں پھیلی ہوئی ہے ملاحظہ ہوں صفحات ۱۲۵ تا ۱۲۷، ۱۳۲ تا ۱۴۰، ۱۶۷ تا ۱۶۹

شاباش! شاباش!! این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

کیا جناب نے یہ سوچا تھا کہ جس کے خلاف کیس مضبوط کرنے کیلئے اُتنی کد و کاوش سے کام کر رہے ہیں وہ کون ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبتی بھائی، کاتب وحیؓ[1] اور صحابی ہیں اور یہ تینوں فضیلتیں اتنی بڑی ہیں کہ اگر آدمی کا دل پتھر نہ بن گیا ہو تو انہیں

---

[1] بعض نادانوں کو حضرت معاویہؓ کے کاتب وحی ماننے سے انکار ہے۔ اُنکی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اگر وہ بالفرض قرآن کے لکھنے والوں میں شامل نہیں ہیں بلکہ صرف خطوط وغیرہ ہی لکھا کرتے تھے تو کیا وہ مکتوبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہونے کے باوجود وحی شمار نہ ہوں گے۔؟ ۱۲ مصنف

نظر انداز نہیں کرسکتا۔

۳۔ عقیدہ اہل سنت کی توضیح کرتے ہوئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں :

"خلفاء راشدین کے بارے میں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الناس ابوبکر صدیقؓ ہیں، پھر عمر بن الخطابؓ، پھر عثمان بن عفانؓ، پھر علی بن ابی طالبؓ، یہ سب حق پر تھے اور حق کے ساتھ رہے!

صحابۂ کرام کے بارے میں :

ہم صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا اور کسی طرح نہیں کرتے ....

اگرچہ صحابہؓ کی خانہ جنگی کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ نے اپنی رائے ظاہر کرنے سے دریغ نہیں کیا ہے، چنانچہ وہ صاف طور پر یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی جن لوگوں سے بھی جنگ ہوئی، اُن کے مقابلہ علیؓ زیادہ برسرِ حق تھے، لیکن وہ دوسرے فریق کو مطعون کرنے سے قطعی گریز کرتے ہیں"

اہل سنت کا یہ عقیدہ بیان کرنے کے باوجود اڑھائی سو صفحات اس کی مخالفت میں لکھ مارے ہیں ۔ ماشاء اللہ!

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ !

"مولانا مودودی زندہ باد! خلافت وملوکیت پائندہ باد!"

مولانا مودودی اور اُن کے "ہم مسلک" حضرات لباادقات حضرات صحابہ کرامؓ

بائمہ سلف کو جھوٹی سچی روایات کا سہارا لے کر اپنے اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں اور پھر کوئی انہیں ٹوکے تو کہتے ہیں "صاحب! یہ لوگ کوئی معصوم تھوڑے ہی ہیں، عصمت تو حضرات انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے" اسی استدلال سے مولانا مودودی نے اپنی اس کتاب میں کام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰۶۔ اُن سے پوچھا جائے کہ حضرت! کیونکہ لازم آگیا کہ جو بھی غیر معصوم ہو، اُس کی طرف جو بُرائی کسی نے منسوب کر دی ہو وہ یقیناً اُس سے ملوث ہوگا۔ حضرات صوفیا کرام کی اصطلاح "اولیاء محفوظ ہوتے ہیں"، تو شاید آپ کی سمجھ میں نہ آسکے محدثین ہی سے کچھ سن لیجئے۔ امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:-

"ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جس کے بارے میں حضورؐ نے عصمت کی شہادت دی ہو، اُس کے سوا کسی کے معصوم ہونے کا یقین تو نہیں کرتے لیکن ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق حسن ظن رکھیں، ہر بُری بات کی اُن سے نفی کر دیں اور اگر روایت میں تاویل کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو اُس کے رواۃ کو جھوٹا کہہ دیں" (شرح مسلم ص۱۰ ج ۲)۔

۴:- تضاد بیانی کی ایک اور واضح مثال ملاحظہ ہو۔

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لڑ کر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے"

(خلافت و ملوکیت ص۱۵۸)

حضرت ابوبکرؓ سے لے کر امیر معاویہؓ تک، پچاس برس کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حکومت حاصل کرنے کے لیے لڑنا اور کشت و خون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا"

(پمفلٹ "شہادت امام حسین")

اَلصحابۃُ کلّھم عدولؓ کی بحث

مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"صحابہ کرام کے متعلق میرا عقیدہ بھی وہی ہے جو عام محدثین و فقہاء اور علماء امت کا عقیدہ ہے کہ "کلّھم عدولؓ"۔"

(خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۰۳)

اس بارہ میں سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ صحابہ کرامؓ کے متعلق علماء امت کا کیا عقیدہ ہے اور وہ کلّھم عدولؓ سے کیا مراد لیتے ہیں۔ پھر دیکھا جائے کہ کیا مولانا مودودی اس عقیدہ میں علماء امت سے ہم آہنگ ہیں یا اُن کے برخلاف انہوں نے اپنی راہ الگ اختیار کی ہے۔ حوالہ جات ذیل ملاحظہ ہوں:

۱۔ امام طحاویؒ جو علم حدیث کے بلند پایہ امام اور فقہ حنفی کے ستون ہیں، اپنے رسالہ عقیدہ طحاویہ میں فرماتے ہیں:

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحابؓ سے محبت رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کی محبت میں کوتاہی کو روا نہیں رکھتے۔ جو اُن سے بغض رکھتا ہو اور بھلائی کے بغیر اُن کا ذکر کرتا ہو۔ ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔ ہم بھلائی کے بغیر ان حضرات کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اُن سے محبت رکھنا دین، ایمان اور نیکوکاری ہے، ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور گمراہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو شخص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپ کی ازواج اور اولاد کے بارہ میں جائز بات کہے گا وہ نفاق سے بری ہو گا۔ علماء سلف صالحین، تابعین اور اُن کے بعد آنے والے محدثین اور فقہاء نیکی کے بغیر اُن کا ذکر نہیں کرتے اور جو بُرائی سے اُن کا نام لے گا وہ سیدھے راستے پر نہیں ہوں گا۔"

۲۔ علامہ تفتازانی جنہیں اہل تشیع بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اپنی مشہور کتاب شرح عقائد نسفیہ میں فرماتے ہیں۔

"صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے بغیر کرنے سے زبان روک لی جائے کیونکہ ان کے فضائل اور ان پر حرف گیری سے رکاوٹ کے بارہ میں صحیح حدیثیں موجود ہیں۔۔۔۔۔۔ ان کے درمیان جو جھگڑے اور لڑائیاں واقع ہوئیں اُن کے بارے میں تاویلات سے کام لیا جا سکتا ہے۔ بہرحال اُنہیں بُرا بھلا کہنا اور اُن پر نکتہ چینی کرنا اگر قطعی دلائل کے خلاف ہے تو کفر ہے ورنہ تو بدعت اور فسق۔" صفحہ ۱۲۵

۳۔ "ہم صحابہ کا ذکر بھلائی کے سوا اور کسی طرح بھی نہیں کرتے" (شرح فقہ اکبر)

مُلّا علی قاریؒ کی جلالت شان مولانا مودودی کو بھی تسلیم ہے اور انہوں نے خود بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۳ پر عقیدہ اہل سنت کے ذیل میں یہ قول نقل فرمایا ہے اور ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ جب مولانا مودودی اعتقاداً اور عملاً اہل السنت کے اس عقیدہ سے اختلاف کرتے ہیں تو اس جملہ کے نقل کرنے سے اُن کی کیا غرض ہے۔

۴۔ عقائد کی مشہور اور مستند کتاب مسایرہ ابن الہمام مع شرح مسامرہ میں ہے۔

"اہل السنت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ تمام صحابہؓ کو وجوباً بے گناہ مانا جائے۔ اُن میں سے ہر ایک کے لئے عادل ہونے کا اعتراف کیا جائے اور اُن پر اعتراض

کرنے سے زبان کو روک لیا جائے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف کی ہے اُن کی تعریف کریں ۔

. . . .

حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان جو لڑائیاں اس سبب سے ہوئیں کہ حضرت معاویہؓ اور اُن کے ساتھی قرابت داری کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے قاتلین کا مطالبہ کرتے تھے، گو یہ سب کچھ دونوں طرف کے اجتہاد پر مبنی تھا الخ"

مسایرہ صہ ۲۰۹

۵۔ سرتاج اولیا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانیؒ، جو فقہی لحاظ سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پیرو ہیں، اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں خلافت کے مسئلہ پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"رہی یہ بات کہ حضرت علیؓ نے طلحہ، زبیر، عائشہ اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے لڑائی کی تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اُن کے آپس میں جتنے بھی جھگڑے اور اختلاف ہوئے، اُن سب سے زبان بند رکھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ چیزیں ان کے درمیان سے نکال دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ۝

اُن کے سینوں میں جو میل ہوگا اُسے ہم نکال دیں گے وہ بھائی بھائی بن کر پلنگوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ اُن کے ساتھ لڑنے میں حق بجانب

تھے کیونکہ وہ اپنے آپ کو امام برحق سمجھتے تھے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحابہؓ میں سے ارباب حل وعقد آپ کی امامت اور خلافت پر اتفاق کر چکے تھے۔ اب جو بھی اس سے باہر گیا اور نبرد آزما ہوا وہ حضرت علیؓ کے نزدیک، باغی ٹھہرا، اس لئے اُس سے لڑنا جائز ہوا۔ دوسری طرف جن لوگوں نے آپ سے لڑائی کی... یعنی امیر معاویہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ، خلیفہ برحق حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے جو ناحق شہید ہوئے تھے اور آپ کو شہید کرنے والے اب حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے..... اس لئے ہر ایک صحیح تاویل کی طرف گیا تو ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اس بارہ میں اپنی زبانوں کو بند رکھیں اور یہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں[1]

.... حضرت امام جعفر صادق اپنے والد حضرت امام محمد باقر سے اللہ تعالیٰ کے قول کی شرح میں نقل کرتے ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ محمد اللہ کے رسول ہیں، وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ جو لوگ آپ کے ساتھ رہے، یعنی دُکھ اور سُکھ میں، غار اور خیمہ میں، اور وہ ابوبکرؓ ہیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کافروں پر سخت ہیں، اس کا مظہر اتم عمر بن خطابؓ ہیں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ آپس میں مہربان ہیں، اس کا کامل نمونہ عثمانؓ ہیں تَرٰىھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا تم اُنہیں رکوع سجود میں دیکھتے ہو اس کی بہترین مثال علیؓ ہیں یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی ڈھونڈتے ہیں، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] یہاں تک اقتباس کی عبارت شاہ ولی اللہؒ نے بھی قرۃ العینین میں نقل فرمائی ہے۔ صہ ۱۴۵، ۱۴۶

دو حواری طلحہؓ اور زبیرؓ، سِیْمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ سجدے کے نشان سے اُن کے چہروں میں اُن کی علامت موجود ہے جیسا کہ سعدؓ، سعیدؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ابو عبیدہ بن جراحؓ۔ یہ دس حضرات ہیں۔۔۔۔

اہل السنت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہؓ میں جو اختلاف ہوئے، اُن سے رُکنا ضروری ہے، اُن کے عیوب سے زبان بند رکھیں، اُن کے فضائل اور محاسن ظاہر کریں اور اُن کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔

(غنیۃ الطالبین، بیان عقائد اہل السنۃ)

۶۔ فقہ شافعی کے جلیل القدر عالم اور مصنف علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ اپنی کتاب الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الاکابر میں فرماتے ہیں۔

"مبحث ۴۴ اس بات کے بیان میں کہ صحابہؓ میں جو اختلاف رہے اُن سے اپنی زبان کا روکنا ضروری ہے اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اُن سب کو اللہ کے نزدیک ثواب ہوگا اس لئے کہ باتفاق اہل سنت وہ سب کے سب عادل ہیں، جن لوگوں نے ان جھگڑوں، مثلاً حضرت عثمانؓ کے دور میں یا حضرت معاویہؓ اور جمل کے واقعات میں، حصہ لیا، وہ بھی اور جنہوں نے حصہ نہ لیا، وہ بھی، اور ان کے بارہ میں حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اُن کے اِن کارناموں کو اجتہاد پر محمول کر کے ایسا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان تمام واقعات کا دار و مدار اجتہاد پر تھا"

صہ ۷۷، ج ۲

۷۔ فقہ مالکی کے بلند پایہ عالم اور جلیل القدر محدث علامہ ابن دقیق العیدؒ اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں۔

"صحابہؓ کے آپس کے اختلافات کے سلسلہ میں جو کچھ منقول ہے، اس میں سے بعض چیزیں بالکل غلط اور جھوٹ ہیں، اس لئے وہ قابلِ توجہ نہیں ہیں اور جو باتیں پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہیں، ہم ان میں بھی مناسب تاویل سے کام لیں گے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی تعریف ہو چکی ہے اس کے بعد جو بات نقل کی جائے گی، وہ شکّی بات ہو گی اور اس میں تاویل کی گنجائش ہو گی اور شکّی، وہمی بات پختہ اور یقینی چیز کو غلط نہیں قرار دے سکتی۔ یہ بات خوب ذہن نشین کر لو"

(شرح فقہ اکبر صد ۸۶)

۸۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے زیر بحث مسئلہ پر اپنی متعدد تصانیف میں بڑی بسط سے کلام کیا ہے۔ اُن کے رسائل اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ الوصیۃ الکبریٰ . . . . اور العقیدۃ الواسطیہ میں یہ مقامات قابلِ دید ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

" اسی طرح ہمارا ایمان ہے کہ صحابہؓ میں جو اختلاف ہوا، اُس کے بیان کرنے سے باز رہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس بارہ میں جو منقول ہے اس میں سے بعض چیزیں بالکل جھوٹ ہیں، پھر وہ لوگ مجتہد تھے، جن کا اجتہاد صحیح ہُوا، اُن کو دُوہرا ثواب، اور جن سے اجتہادی غلطی ہوئی، نیک کوشش کا ثواب اُن کو بھی ملے گا۔ اُن کی غلطی اور جو کوتاہی اُن سے ہوئی وہ معاف ہو جائے گی . . . . . .

اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت معاویہؓ اور دوسرے حضرات جو اُن کے ساتھ لڑے، اُن سب سے افضل تھے کیونکہ صحیح بخاری اور مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت مسلمانوں میں اختلاف ہو گا تو ایک ٹولہ

الگ نکل جائے گا (خوارج مراد ہیں) تو مسلمانوں کے دو گروہوں میں جو حق کے زیادہ قریب ہوگا وہ انہیں مارے گا (بعد میں یہ سعادت حضرت علیؓ کے حصہ میں آئی) اس حدیث میں دلیل ہے کہ ہر گروہ کے ساتھ حق تھا اور حضرت علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے۔ ....

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے بھی حقوق ہیں جن کی رعایت کرنا ضروری ہے .... مسانیہ اور سُنن میں روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ کے سامنے بعض لوگوں کی درشتی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ لوگ اُس وقت تک بہشت میں نہیں جائیں گے جب تک کہ میری وجہ سے تمہارے ساتھ محبت نہ رکھیں۔"

(الوصیۃ الکبریٰ)

۹۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں :-

"ہم بھلائی کے بغیر صحابہؓ کا نام لینے سے اپنی زبانوں کو روکے رکھیں۔ وہ دین میں ہمارے امام اور پیشوا ہیں۔ اُنہیں بُرا بھلا کہنا حرام ہے اور اُن کی تعظیم کرنا واجب ہے۔" (تفہیمات الٰہیہ صہ ۱۴۹)

۱۰۔ قاضی عیاض مالکیؒ نے اپنی نامور تصنیف "شفاء" میں اس عنوان پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کے ساتھ حسن سلوک کا ایک شعبہ یہ ہے کہ آپ کے اصحابؓ کی بھی عزت کی جائے۔ اُن کی تعریف اور اُن کے حق

میں دعائے مغفرت کی جاتے، اُن میں جو اختلافات ہوئے، اُن سے زبان کو روک لیا جائے۔ جو اُن سے دشمنی رکھے، اُس سے عداوت ہو۔ مورخین، نادان راویوں اور گمراہ شیعہ اور رافضی حضرات سے جو باتیں اس قسم کی منقول ہیں کہ کسی صحابیؓ کی شان اُن سے مجروح ہوتی ہے، انہیں نظر انداز کر دیا جائے۔ آپس میں اُن کے جو جھگڑے ہوئے، اُن کے بارہ میں عمدہ تاویلات اور مناسب توجیہہ سے کام لیا جائے وہ اس کے حق دار ہیں۔ کسی کا ذکر برائی سے نہ کیا جائے۔ کسی پر کوئی حرف گیری نہ کی جائے بلکہ اُن کی نیکیوں، اُن کے فضائل اور قابل تعریف کارناموں کا ذکر کیا جائے اس کے ماسوا سے زبان روک لی جائے۔" .... (چند آیات اور احادیث نقل کرنے کے بعد، ایک حدیث میں آیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا، لوگو! میں ابوبکرؓ سے راضی ہوں، تم خوب یہ بات جان لو۔ لوگو! میں عمرؓ، علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے راضی ہوں، تمہیں یہ معلوم رہے لوگو! اللہ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کی مغفرت کا اعلان فرما دیا ہے، لوگو! میرے اصحاب، میرے سسرالی قرابت داروں اور میرے دامادوں کے بارے میں یہ خیال رکھنا، کل کو تمہارے خلاف کوئی مطالبہ لے کر کھڑا نہ ہو کیونکہ اُن کے خلاف زیادتی کل قیامت کو معاف نہیں ہو سکے گی۔ ایک شخص نے معافیؒ بن عمران سے پوچھا، حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں عمر بن عبدالعزیز کی

ؒ یہ بزرگ موصل کے تھے۔ امام سفیان ثوری انہیں یاقوت العلماء کہتے (۱۸۲ھ تذکرۃ الحفاظ ص ۲۹۵ ج ۱)

کیا حیثیت ہے ؟ وہ ناراض ہوگئے اور کہا، صحابہؓ کے ساتھ کسی اور کو کیا نسبت ؟ معاویہؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے صحابی، آپ کے قرابت دار، اور کاتب اور اللہ کی وحی کے بارہ میں آپ کے امین ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کا جنازہ لایا گیا حضورؐ نے اُس پر نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا، یہ شخص عثمان سے عداوت رکھتا تھا، اس لئے اللہ نے اسے راندۂ درگاہ کر دیا ...... امام مالک فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے معلّم ہیں۔ اللہ نے آپ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ آپ آدھی رات کو بقیع کے گورستان میں تشریف لے جاتے، صحابہؓ کے لئے دعائیں کرتے، .... مغفرت مانگتے

اس انداز سے کہ گویا آپ انہیں الوداع کہہ رہے ہیں۔ یہ سب کام آپ اللہ کے حکم سے کرتے، جو بارگاہِ ایزدی میں اُن کے تقرب کی دلیل ہے، اور پھر آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صحابہؓ کے ساتھ دل و جان سے محبت رکھیں۔"

(شفاء ص ۱۴۳ ج ۲)

یہ اقتباس بھی خاصا طویل ہو گیا ہے لیکن کیا کریں،

لذیذ بود حکایت، دراز تر گفتم

۱۱۔ علامہ شہاب الدین خفاجیؒ شرح شفا میں فرماتے ہیں:۔

"صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام الحرمین استاد امام غزالیؒ نقل فرماتے ہیں کہ تمام صحابہؓ چھوٹے ہوں یا بڑے سب کے عادل ہونے پر

علمار امت کا اتفاق ہے اس لئے اپنے اپنے اجتہاد کی بنا پر بعض حضرات سے جو کام سرزد ہوئے۔ اُن کی وجہ سے اُن پر تنقید کرنا جائز نہیں ہے ۔۔۔۔۔"

(النبراس الریاض صہ ۲۶ ج ۳)

علمار امت کی ان تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل السنت والجماعت مع الصحابۃ کلہم عادل کہتے ہیں تو بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ عقیدے کی پوری عبارت یہ ہے۔

"الصحابۃ کے سب کے سب عادل ہیں اس لئے ہم بھلائی کے سوا ان کا ذکر نہیں کرتے۔"

اب ہم قارئین سے پوچھتے ہیں کہ کیا مولانا مودودی کے نظریات، امام اعظم، امام مالک اکابر محدثین، فقہا اور علمأ امت کے متفقہ عقیدے سے میل کھاتے ہیں یا وہ کعبہ کی بجائے ترکستان کی شاہراہ پر چل رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک مولانا نے کاٹ چھانٹ کر کے جو چربہ تیار کیا ہے، وہ اس عقیدت کے دامن پر تہمت نہیں آنا، اور تلخ نوائی معاف ہو تو ہم ترجمان القرآن کی زبان میں عرض کریں گے۔

"سنیت کا انکار کر کے تم جس وادی میں چاہو بھٹکو۔۔۔۔ اہل السنت والجماعت کو تم سے بحث نہیں ہوگی۔ لیکن سنی کہلا کے تمہیں ان کی توہین کرنے کا کیا حق ہے جن کی پیروی امت کے لئے خود ایمان اور ذریعہ نجات قرار دی گئی ہے۔"

(ترجمان القرآن شمارہ ۲ تا ۵ ج ۴۴)

ع حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

مولانا مودودی کا ایک مغالطہ اور اس کی تردید

مولانا مودودی فرماتے ہیں :-

"میں 'الصحابہ کلہم عدول' کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہؓ بے خطا تھے اور ان میں کا ہر ایک قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا اور اُن میں سے کبھی کسی نے غلطی نہیں کی بلکہ اس کا مطلب یہ لیتا ہوں . . . . .

بجا ارشاد ہوا ہے لیکن ذرا یہ تو فرمائیے کہ وہ معنیٰ علمائے امت میں سے کس نے بیان کیا ہے جس کی تردید اتنی شد و مد سے ہو رہی ہے ؟ بلکہ جس تشریح کو "ایجاد بندہ" بتایا جا رہا ہے وہ "الیواقیت والجواہر" وغیرہ میں موجود ہے لیکن آپ کے بیان کردہ مطلب ——— یعنی یہ کہ صحابہؓ سب کے سب راستباز اور بحیثیت رُواۃِ حدیث قابل اعتبار ہیں ——— درست مان لینے کے بعد سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ بشری کمزوریوں کی بنا پر صحابہؓ سے بعض افعال کا جو صدور ہوا تو اُن کا ذکر کس انداز سے کیا جائے ۔ علمائے امت یہ کہتے ہیں کہ اول تو ایسی چیزیں بیان ہی نہ کرو ۔ اگر ضرورت پڑنے پر ان کا اظہار کرو تو اجتہادی خطا قرار دے کر اور مناسب تاویلات سے کام لیتے ہوئے تلافی کر دو تاکہ صحابہؓ کی توقیر و تعظیم میں کوئی فرق نہ آئے ۔ دین سے اعتماد نہ اُٹھ جائے ، یہی تعلیم قرآن و حدیث کی ہے اور اسی پر علمائے امت کا اتفاق ہے مگر مولانا مودودی کو اس سے اختلاف ہے ۔ ان کا ایک بودا استدلال ملاحظہ ہو ، فرماتے ہیں :-

"اگر الصحابۃ العدول" کا یہی مطلب ہے کہ ان کی غلطیوں کا ذکر نہ کیا جائے تو
ماعز اسلمیؓ اور غامدیہ کے واقعات کتب حدیث میں نہیں ہونے چاہئیں۔
جنگ جمل اور صفین کے واقعات کا انکار کرنا پڑے گا۔ وغیرہ وغیرہ (ملخصاً)

حدیبیہ گئی مولانا کی سطحیت کی۔ اُن سے کون کہے کہ حضرت! کتب حدیث میں جہاں اس
قسم کے واقعات آتے ہیں وہاں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جن سے صحابہؓ کے بارہ میں غلط
تاثر لینے اور بے اعتمادی پیدا ہونے کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے۔ بات طویل ہو جائے گی لیکن
نامناسب نہیں ہوگا اگر ہم بطور نمونہ اس کی چند مثالیں قرآن و حدیث سے پیش کر دیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا عَصٰی آدَمُ
رَبَّہٗ فَغَوٰی اور پھر متصل ہی فرمایا ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ
وَھَدٰی ٥ اور اس سے پہلے فرمایا فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا ٥

۲۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر منافقین نے جھوٹے بہانے بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے اجازت مانگی کہ وہ پیچھے رہ جائیں۔ حضورؐ نے اس کی اجازت دے دی۔
اب اس کے بعد اللہ کی طرف سے جو وحی آئی تھی، اس کا اندازِ تخاطب قرآن
پڑھ کر دیکھئے:

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ

اللہ نے تو آپ کو معاف کر دیا، لیکن آپ نے اُنہیں اجازت
کیوں دے دی تھی۔

معافی کا اعلان پہلے کر دیا ہے اور پوچھا بعد میں۔ اس کی تفصیل تفاسیر میں دیکھئے۔

۳۔ غزوۂ اُحد کے موقعہ پر انصار کے دو خاندان بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہمت ہارنے

لگے تھے کہ انہیں بھی منافقین کی طرح پیچھے گھر میں بیٹھ رہنے کا خیال ہوا، لیکن صرف وسوسہ ہی دلوں میں گذرا، اللہ کے فضل نے اُن کی دستگیری کی اور وہ میدان جہاد میں آ گئے۔ قرآن میں اس واقعہ کا بیان ان الفاظ سے ہوا ہے۔

۳۔ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا

(آل عمران : ۳ : ۱)

جب تم میں سے دو گروہوں کو یہ خیال ہوا تھا کہ ہمت ہار دیں، اور اللہ اُن کا مددگار تھا۔

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا شکوہ؟ کیا گیا ہے طبعی طور پر انہیں یہ بات ناگوار گذری ہوگی کہ قیامت تک اُن کی یہ شکایت دہرائی جاتی رہے لیکن ان لوگوں کی رائے سنیئے :

"حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ یہ نازل نہ ہوتی کیونکہ اس سے ہمیں فرمان الٰہی وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا کی سند حاصل ہو گئی ہے۔"

(مسلم صد ۳۰۴ ج ۲، و بخاری صد ۵۸۰ ج ۲)

۴۔ حدیث شریف میں جہاں حضرت ماعز اسلمیؓ کا واقعہ، اعتراف زنا اور اس پر حد قائم ہونا مذکور ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں :-

لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لو سعتهم

(مسلم صد ۶۸ ج ۲)

اس نے ایسی توبہ کر لی ہے کہ اگر اُسے ایک امت میں تقسیم کر دیا جائے تو ان سب

کو کافی ہو جائے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب انہیں سنگسار کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو بات کرتے ہوئے سنا۔ ایک نے دوسرے سے کہا، دیکھو، اللہ نے اس پر پردہ ڈال رکھا تھا، مگر اس کے نفس نے اسے نہ چھوڑا کہ اسے اب اس طرح سنگسار کیا گیا ہے جیسے کتے کو کیا جاتا ہے۔ حضورؐ خاموش رہے۔ چلتے چلتے آگے گئے تو ایک گدھے کی مردار ملی جس کی ٹانگ بھول جانے کی وجہ سے اوپر کو اٹھی ہوئی تھی حضورؐ نے پوچھا فلاں فلاں آدمی کہاں ہیں، انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! ہم حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا تم دونوں بیٹھ کر اس گدھے کے مردار سے کھاؤ۔ انہوں نے کہا، اللہ کے نبیؐ! اسے کون کھا سکتا ہے۔ فرمایا تو تم نے ابھی اپنے بھائی کی عزت پر جو حملہ کیا تھا وہ اس کے کھانے سے بڑھ کر ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ اب جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

(ابوداؤد صہ ۲۵۲ ج ۲)

۵۔ جب غامدیہؓ کا واقعہ پیش آیا تو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ظالم عشر وصول کرنے والا ویسی توبہ کرے تو اس کی مغفرت ہو جائے۔

(مسلم صہ ۶۸ ج ۲ وابوداؤد صہ ۲۵۴ ج ۲)

۶۔ ترمذی اور ابوداؤد کے حوالے سے مشکوٰۃ صہ ۳۱۲ میں ایک اور شخص کا ایسا ہی واقعہ درج ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنگسار کرانے کے بعد فرمایا۔

"اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام اہل مدینہ کے حصے میں آجائے تو ان سب سے

سے قبول ہو جائے ۔"

اسی طرح علماء امت جہاں جمل اور صفین وغیرہ واقعات کا ذکر کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرما دیتے ہیں کہ جن حضرات نے سید علی المرتضیٰ رضؓ سے محاربہ اختیار کیا اُن سے 'اجتہادی غلطی' سرزد ہوئی تھی، اس لئے نہ صرف یہ کہ اُن پر گرفت نہیں ہوگی بلکہ وہ عند اللہ مستحق اجر ہوں گے۔ ملاحظہ ہوں شاہ ولی اللہؒ کی ازالۃ الخفاء فارسی ص ۲۷۹ ج ۲، حافظ ابن کثیرؒ کی البدایہ والنہایہ اور دیگر کتب شروح حدیث وغیرہ ـــــــ یہاں پر ہم صرف ایک حوالہ مزید پیش کرتے ہیں۔ امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں :-

"حضرت عثمانؓ کی خلافت بالاجماع صحیح ہے۔ آپؓ کو ناحق شہید کر دیا گیا۔ آپؓ کے قتل کرنے والے فاسق اور گنہگار ہیں اس لئے کہ جو چیزیں قتل کا موجب بنتی ہیں وہ تو معلوم ہیں، اور آپؓ کی طرف سے ایسی کوئی چیز پیش نہیں آئی تھی جو آپؓ کے قتل کا موجب بن سکتی۔ آپؓ کے قتل میں صحابہؓ میں سے کوئی بھی شریک نہ ہوا۔ اس کے سوا نہیں کہ آپؓ کو قبائلی اوباشوں اور آوارہ مزاجوں اور باہر کے کمینہ اور رذیل لوگوں نے قتل کیا تھا جو دھڑا بندی کر کے مصر سے آگئے مدینہ کے۔ صحابہؓ ان کی مدافعت نہ کر سکے تو انہوں نے محاصرہ کر کے آپؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی بالاجماع صحیح ہے۔ اپنے وقت میں وہی خلیفہ تھے دوسرا کوئی خلیفہ نہ تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فاضل عادل لوگوں میں سے اور نجیب صحابہؓ میں سے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اُن میں جنگیں ہوئیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر طائفہ کے پاس ایک دلیل ایسی موجود تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا تھا۔

سب کے سب حضرات عادل ہیں۔ لڑائیوں وغیرہ میں تاویل سے کام لیتے ہیں اور اس قسم کی کوئی چیز بھی اُن میں سے کسی کو عدالت کی وصف سے خارج نہیں کرتی اس لئے کہ وہ لوگ مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ پھر اُن کا اختلاف ایسے مسائل میں ہوا جن میں اجتہاد کی گنجائش موجود تھی۔ جس طرح بعد کے ائمہ مجتہدین خون وغیرہ کے مسائل میں اختلاف کر لیتے ہیں اور اس سے کسی کا نقص لازم نہیں آتا۔

معلوم رہے کہ ان لڑائیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ معاملات غیر واضح اور مشتبہ تھے۔ اس وجہ سے اُن کے اجتہاد میں اختلاف ہو گیا۔ ایک گروہ کو یہ معلوم ہوا کہ حق اس طرف یعنی حضرت علیؓ کے ساتھ ہے، اور اس کا مخالف باغی ہے تو شرعاً، اُن پر واجب ہو گیا کہ وہ اس کی امداد کریں اور جس کو انہوں نے باغی سمجھا ہے اُس سے لڑائی کریں چنانچہ انہوں نے ایسا کیا اور یہ لوگوں کے لئے جائز بھی نہیں تھا کہ جن لوگوں کو باغی قرار دے چکے تھے، اُن کے ساتھ لڑنے میں امام عادل کی امداد سے پیچھے رہ جاتے، ایک گروہ ان لوگوں کے برعکس تھا۔ سوچ بچار کرنے کے بعد اُن کی سمجھ میں یہ آیا کہ حق دوسری طرف ہے تو اُن پر واجب ہو گیا کہ وہ اُس کی امداد کریں اور جو اُس کی مخالفت کرے اُس سے لڑائی کریں۔

تیسرا گروہ وہ تھا جس پر معاملہ مشتبہ ہی رہا۔ اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس کو ترجیح دیں تو وہ دونوں لوگوں سے الگ رہے اور اُن کے حق میں یہی واجب تھا کہ وہ الگ رہتے کیونکہ کسی مسلمان سے اُس وقت تک لڑنا ہی درست نہیں ہے، جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ وہ اس کا مستحق ہے . . . .

خلاصہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جس نے جو کردار بھی انجام دیا، سب کے سب معذور ہیں

اسی وجہ سے اہل حق اور اجماع میں جن لوگوں کی حیثیت معتبر ہے وہ سب اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہؓ کی شہادتیں اور اُن کی روایات مقبول ہیں۔ اُن کی عدالت کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو[1]

(مسلم مع شرح نووی صہ۲۷۲ ج ۲)

امام نوویؒ کا یہ تبصرہ اتنا واضح اور بے غبار ہے کہ اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہم مولانا مودودی سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ علمائے امت کا ساتھ دیں گے یا پھر وہی "میں" اور "میرے نزدیک" کی رٹ لگائے چلے جائیں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ "الصحابۃ کلھم عدول" کی اصطلاح امت مسلمہ کا ایک متفق علیہ عقیدہ ہے۔ اگر اس کو قبول کرنا ہے تو اسی تشریح و توضیح کے ساتھ ماننا ہوگا جو علمائے امت نے کی ہے، ——— ورنہ تو ——— مولانا مودودی کو جرأت سے کام لے کر واشگاف لفظوں میں اس کا انکار کر دینا چاہیئے۔

آخر یہ گو مگو کی پالیسی بجائے خود سخن سازی نہیں تو اور کیا ہے؟ بہرحال عقائد کے باب میں کتر بیونت اور ترمیم و تنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ اس قسم کی کوئی سعی، اقامتِ دین کا کام کرنے والے حضرات کو زیب دیتی ہے۔

مولانا مودودی کو اگر ذہول ہو گیا ہے تو ہم انہیں یاد دلاتے ہیں کہ وہ اجماع کی اہمیت خود ان لفظوں میں بیان فرما چکے ہیں:-

---

[1] شرح نوویؒ کا یہ پورا اقتباس شاہ ولی اللہؒ نے بھی قرۃ العینین صہ۱۴۴ میں نقل کیا ہے جو اُن کے حرف بحرف اتفاق کی دلیل ہے ۱۲ مصنف

"کیا یہ بات باور کئے جانے کے لائق ہے کہ پوری اُمت کے علماء بالاتفاق ایک نص کا مطلب سمجھنے میں غلطی کر جائیں اور صدیوں اس غلطی میں پڑے رہیں؟"

تفہیمات صہ ۱۳۸ ج ۳ بحوالہ ترجمان القرآن

جولائی ۵۹ء

فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ؟

خلافتِ راشدہ کی ایک امتیازی خصوصیت

کاش! مولانا مودودی کے ذہن کی رسائی اس حد تک ہوتی کہ عہدِ خلافتِ راشدہ درا صل عہدِ رسالت کا تتمہ ہے اور جس طرح عہدِ رسالت تنقید سے بالاتر ہے اسی طرح خلفاء راشدین کا طرزِ عمل بھی بادشاہ کی نکتہ چینیوں اور حرف گیریوں سے بالا ہے۔ یہ ایک طویل مسئلہ ہے۔ ازالۃ الخفا میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس نکتہ کی طرف اشارات فرمائے ہیں۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔

"خلافت کا زمانہ ایک طرح سے نبوت کا باقی زمانہ تھا۔ گویا نبوت کے زمانے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً فرمادیتے تھے اور خلافت کے زمانہ میں خاموش بیٹھے ہوئے ہاتھ اور سر سے اشارہ فرمادیتے تھے"

(ازالۃ الخفا صہ ۲۵ ج ۱)

ایک دوسری جگہ خلافت سے متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ کے تحت اور زیادہ لطیف بات کی ہے۔

"عقائد، عبادات، معاملات، مسائل نکاح اور احکام خراج جو ان خلفا کے زمانہ میں ظاہر ہوں اور وہ بڑے اہتمام کے ساتھ اُن کی ترویج میں کوشش کریں وہ اللہ کا پسندیدہ دین شمار ہوں گے۔ اس لئے اگر کسی مسئلہ میں خلفا کا فیصلہ یا کسی واقعہ میں اُن کا فتویٰ مل جائے تو وہ شرعی دلیل ہوگا"

(ازالۃ الخفاء صہ ۱۹ ج ۱)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس سلسلہ میں ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے:-

"کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "خیر القرون قرنی" (سب سے اچھا زمانہ میرا ہے) میں قَرْنِیْ کا لفظ آیا ہے۔ اس کے چار حرف ہیں، اور یہ بالترتیب خلفاء راشدین کے اسمائے گرامی، صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کے آخری حرف ہیں۔ گویا حضورؐ نے اشارہ فرما دیا ہے کہ ان چاروں کا زمانہ دراصل میرا ہی زمانہ ہے۔"

(وعظ استمرار التوبہ)

ایک طرف حکیم الامت کے یہ ارشادات اور دوسری جانب مولانا مودودی کے نظریات، موازنہ کیجئے اور مولانا کے بے لوث "تاریخی تجزیہ" کی داد دیجئے۔

نوٹ: یہ مسئلہ اپنی جگہ پر تفصیل طلب ہے۔ ہم نے صرف اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ طوالت کے خوف سے اس بحث کو زیادہ نہیں چھیڑتے۔

مولانا کا عجیب و غریب علمی تفرّد

مولانا مودودی نے اپنی زندگی میں بیسیوں مسائل میں تفرّد اختیار کیا ہے اور وہ اپنے مخصوص انداز میں مسائل پر کلام کرتے ہیں۔ بقول جناب شورش کاشمیری :-

"پاکستان میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی یا اُن کے متبعین نے اسلام کو اپنی میراث بنا رکھا ہے اور بزعم خویش اس وہم میں مبتلا ہیں کہ اسلام کو جس طرح وہ سمجھتے ہیں، اور کوئی نہیں سمجھتا گویا باقی سب کے لئے اسلامیت کے باب میں فہم و فکر کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔"

(چٹان مورخہ ۴ جنوری ۶۵ ۔ صفحہ ۴ کالم ۳)

لیکن افسوس کہ مولانا بزعم خویش مستقل قوت اجتہادیہ کے مالک ہونے کے باوجود یہی نہیں سمجھ سکے کہ "اجتہادی غلطی" کسے کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :-

"مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے کہ انہوں نے یہ غلطی نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے کی تھی۔ مگر میں اسے محض "غلطی" سمجھتا ہوں اس کو "اجتہادی غلطی" ماننے میں مجھے سخت تامل ہے۔"

(خ ۔ م ۳۴۳)

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے۔ اب مولانا سے کون پوچھے کہ نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھ کر غلط

کام کرنا' اسی کا نام ' اجتہادی غلطی' نہیں تو آخر وہ کس بلا کا نام ہے؟

مولانا مودودی کے اندازِ فکر سے مناسب ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک زمیندار سے ایک بکری کا مول چکانے کو کہا گیا۔ وہ صاحب بولے "اس بکری کی قیمت پونے اکتالیس روپے ہے" پوچھا گیا۔ یہ کونسی تُک ہے کہ نہ پورے چالیس، نہ پورے اکتالیس؛ جواب دیا "ہم نے ترا غور کیا ہے، چار آنے بڑھ نہیں سکتے، بارہ آنے کم نہیں ہو سکتے"

اسی طرح مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ بہتیرا سوچا ہے لیکن صحابہؓ کی غلطی کو اجتہادی غلطی نہیں مان سکتے ذٰلِکَ مَبۡلَغُھُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ——— صحابہؓ کے بارہ میں تو مولانا وسعت ظرفی کا ثبوت نہیں دے سکے۔ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں وہ کیا فرمائیں گے جہاں ہمارے سامنے یہ واقعہ آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لئے طور پر چلے گئے اور پیچھے سے قوم گئو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو سخت ناراض ہوئے، تورات کی تختیاں نیچے پٹخ دیں۔ قوم سے باز پُرس کی اور اپنے بھائی کے سر اور گردن سے پکڑ کر انہیں اپنی طرف کھینچنے لگے اور کہا "ہارون! تمہیں کس چیز نے روکا تھا کہ میرے پیچھے چلے آتے اور مجھے صورت حال سے مطلع کر دیتے"۔ حضرت ہارونؑ نے معذرت پیش کی جو صحیح تھی۔ اُن کی معقول دلیل سُن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرد ہوا۔ یہ پوری داستان سورہ طٰہٰ اور سورہ اعراف میں موجود ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"یہاں دو اجتہاد ہیں، ایک یہ کہ ترک مساکنت (یعنی بنی اسرائیل سے الگ ہو جانا، زیادہ نافع تھا۔ دوسرا یہ کہ ترک مساکنت زیادہ مضر تھی، موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اجتہاد اوّل کی طرف گیا اور ہارون علیہ السلام کا ذہن دوسرے اجتہاد کی طرف گیا"

(تفسیر بیان القرآن صہ ۳۴ ج ۷)

واقعہ یہ ہے کہ نہ تو یہاں کوئی نفسانیت اور انانیت کارفرما تھی، بلکہ اس کارروائی کا باعث ایمانی غیرت اور اللہ کی رضا جوئی کے سوا کچھ نہ تھا اور نہ صحابہؓ کی باہمی آویزش میں کوئی گھٹیا ذہنیت اور اخلاقی زوال کام کر رہی تھی حاشا وکلا۔ بلکہ جب صحابہؓ نے یہ دیکھا کہ

- چند اوباشوں کو یہ جرأت ہوئی کہ انہوں نے خلیفۂ رسولؐ کو بے دردی سے شہید کر دیا ہے۔
- بدبختوں نے مدینۃ الرسولؐ کی بے حرمتی کی ہے۔
- اشہر حج کے روایتی احترام کی خلاف ورزی کی ہے۔

تو یہ ایک ایسا زبردست المیہ تھا کہ جذبات کا بے قابو ہو جانا اس کے بعد کچھ غیر متوقع نہ تھا چنانچہ مشاجرات اور محاربات کا ایک طوفان اٹھا بگڑے ہوئے حالات میں انسانی آراء کا اختلاف ہو جانا ایک فطری عمل ہے۔ اس وقت، حالات کے آثار چڑھاؤ سے صحابہ کرامؓ میں جو اختلاف ہوا تو کیا ایک فریق حضرت علی المرتضیٰؓ کو حق بجانب قرار دے کر دوسرے فریق کی غلطی کو "اجتہادی غلطی" بھی نہیں کہا جا سکتا؟ حد یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اصحاب جمل کو خود اجتہادی غلطی پر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:-

حضرت مرتضیٰ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود [1]

(ازالۃ الخفاء صہ ۲۷۹ ج ۲)

---

[1] محمود احمد عباسی نے اپنی کتابوں "خلافت معاویہؓ ویزید" اور "تحقیق مزید" میں اس جملے کے ترجمہ میں صریح بددیانتی سے کام لیا ہے۔ ۱۲ مصنف

حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی ان حضرات کے بارے میں یہی فیصلہ دیا تھا کہ اُن سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔

لیکن مولانا کہتے ہیں "مجھے اس میں سخت تامل ہے"، بلاشبہ خود رائی کی یہ ایک عجیب مثال ہے۔ ہم قرآن سے ایک ہی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی "میں" اور "میرے نزدیک" کو سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں۔ کتاب وسنت اور اکابر امت کے اقوال سے اپنی تائید میں کوئی دلیل پیش کر سکتے ہوں تو لائیں هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ ورنہ تو وہ یہ دورنگی چھوڑ دیں کہ ایک طرف تو وہ عام محدثین اور علماء امت کے ساتھ چپکے رہنا چاہتے ہیں دوسری طرف اسی مسئلہ میں تفرّد کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔

اپنا تو یہ خیال ہے کہ ۱۳۰۰ سو سال کی تاریخ میں علماء امت کا جو عقیدہ رہا، اُسی پر زندگی گذرے اور اسی پر موت آئے۔ اس سے سرِ مُو انحراف نہ ہو۔ اسی میں دنیا کی سعادت اور اسی میں آخرت کی فلاح ہے ؏

ـہ وَمَا اَنَا اِلَّا مِنْ غَزِيَّةَ ، اِنْ غَوَتْ
غَوَيْتُ ؛ وَاِنْ تَرْشُدْ غَزِيَّةُ اَرْشُدِ

(میں قبیلہ غزیہ ہی کا ایک فرد ہوں۔ اگر بالفرض وہ غلط راہ پر چلیگا تو میں بھی غلط راستے پر چلونگا اور اگر وہ راہِ راست پر رہے گا تو میں بھی سیدھے راستے پر رہونگا۔ غرض، اس کے ساتھ ہی رہونگا۔ اسُ سے جدا ہونا منظور نہیں ہے)

مولانا کی لن ترانیاں اور اُن کا جواب

مولانا مودودی اپنی کتاب کے آخیر میں "خاتمہ کلام" کے عنوان سے آٹھ سوالات لکھ کر فرماتے ہیں:-

"یہ وہ سوالات ہیں جن پر غور و فکر کرنے سے آپ اُن ہزاروں، لاکھوں آدمیوں کے دماغ بند نہیں کر سکتے جو آج تاریخ اسلام اور علم سیاست کے اسلامی شعبے کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان کا جواب اگر میں نے غلط دیا ہے تو آپ صحیح دے دیں یہ فیصلہ اہل علم خود کر لیں گے کہ دونوں جوابوں میں سے کونسا جواب معقول اور مدلل ہے۔" صہ ۳۲۹ خ۔م

جواباً ہم چند باتیں باادب مولانا کی خدمت میں عرض کرتے ہیں:

ا:- کبھی آپ نے اپنے عدیم الفرصت ہونے کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا:

"پاکستان سے ہندوستان تک ہر طرف پمفلٹوں، اشتہاروں اور مضامین کی ایک فصل اگ رہی ہے ...... اس فصل کو آخر کون کاٹ سکتا ہے اور کہاں تک کاٹ سکتا ہے۔ مجھے اگر دنیا میں اور کوئی کام نہ کرنا ہو تو میں اسے کاٹنے میں اپنی عمر کھپاؤں اور جماعت اسلامی اگر اپنے مقصد اور اپنے کام سے دستبردار ہو جائے تو اس پر اپنی محنت ضائع کرے۔ ہمارے مخالفین تو یہی چاہتے ہیں کہ

ہم اس حماقت میں مبتلا ہوں اور اس جھاڑ جھنکار سے الجھ جائیں تاکہ فساق و فجار کی قیادت کو اپنا کام کرنے کے لئے صاف راستہ مل جائے۔"

(ترجمان جلد ۳۵ ص ۲/ ۱۴۹،)

اب کیا صورت حال پیش آئی ہے، آپ فساق و فجار کو ہٹا کر نظام سلطنت مصالحین کے سپرد فرما چکے ہیں یا اس بنیادی مقصد سے دستبردار ہو چکے ہیں کہ نصابی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے آپ نے کمر باندھ لی؟ اگر آپ ایک بلند مقصد کے لئے کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے عدیم الفرصت ہیں، تو آخر کس طبیب نے مشورہ دیا تھا کہ حضرت اس معاملہ میں ضرور دخل دیں ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی — کہ با آسمان نیز پرداختی

۲- آپ یونیورسٹیوں کے طلبہ کی ضرورت تو محسوس کرتے ہیں لیکن اس طرح سے اگر دین کی بنیادیں کھوکھلی ہو جائیں اور پوری عمارت دھڑام سے نیچے آ رہے تو آپ کی بلا سے؟ اُف! حقیر سی منفعت کے لئے اتنا بڑا زیاں ؎

ہائے ظالم! آشیاں کے ایک تنکے کے لئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

یہ تو وہی قصہ ہوا جیسا کہ مشہور ہے کہ جولاہوں کا ایک آدمی کسی طرح تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا لیکن اُس نے نیچے نظر کی تو اُس کو اُترنا مشکل معلوم ہوا۔ اب یہ مسئلہ بن گیا۔ برادری کے چودھری نے بتایا کہ تم کمند اس کی طرف پھینکو۔ وہ اُس کو اپنی کمر میں باندھ لے اور پھر دوسرے سرے سے پکڑ کر اسے کھینچ لو، چنانچہ ایسا کیا گیا۔ جسم تو نیچے آ گیا لیکن روح غائب تھی۔ چودھری صاحب کو رپورٹ کی گئی، بولے" بیوقوف ہاتھ سے کھینچنے میں غلطی ہوئی کہ وہ مرگیا ورنہ ہم نے تو کئی دفعہ اس طرح کنوؤں سے جانور اور آدمی نکالے ہیں۔"

یعنی آپ نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ جن لوگوں کے دل و دماغ پہلے سے آزاد ہیں دینی معتقدات کو فرسودہ خیال اور اعمال کو غیر ضروری پابندیاں قرار دیتے ہیں اُن کے سامنے آپ اپنا یہ شاہکار پیش کر رہے ہیں۔ نتیجہ کیا نکلے گا ؟

۳- جو راستہ آپ نے کھول دیا ہے، اگر یہ کھلا رہا تو انتظار کیجئے وہ وقت بہت قریب ہے جب کہ تاریخ کا طالب علم آپ سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کے بارے میں بھی سوالات کرے گا اور کتب تفسیر اور صحفِ سماویہ تک کے حوالے آپ کے سامنے لائے جائیں گے اُس وقت آپ کی تحقیقات اور بے لاگ تاریخی تجزیئے کیا گل کھلائیں گے ؟

۴- آپ اپنے مخصوص انداز میں معاصر علما کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر کچھ لکھ کر دکھائیں ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کون سا تیر مار لیا ہے؟ جو کچھ اسلام دشمن مستشرقین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، وہی آپ نے حوالہ جات کی تکمیل کے ساتھ تحریر فرما دیا ہے۔ اسی کارنامہ پر آپ فخر محسوس کرتے ہیں؟ اگر آپ سے مدافعت نہ ہو سکتی تھی تو کیا آپ کے لئے اس بیچ میں ٹانگ اڑانا ضروری تھا؟ ع توسنِ نیک نداری، بر مکن

راقم السطور صد بار اپنی ہیچمدانی کا اعتراف کرنے کے باوجود آپ کی خدمت میں عرض گذار ہے کہ اس کتابچہ میں جو اصولی گذارشات پیش کی گئی ہیں، اگر آپ کو ان سے اختلاف ہے تو آپ ان کی تردید فرما دیجئے۔ اور اپنی تائید میں تیرہ سو سال کی طویل تاریخ میں سے کسی ایک جید عالم کا نام پیش کر دیجئے، ورنہ تو جناب شورش کاشمیری کے یہ ریمارکس آپ کے بارہ میں حرف بحرف صحیح ہوں گے۔

"مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جو اسلامی نظام برپا کرنے کے سیاسی داعی ہیں اُن کے ساتھ ایک بھی دینی پیشوا نہیں، وہ اپنا چراغ تنہا جلانا چاہتے ہیں اور علماء و آئمہ

ہیں کہ ایک قدم بھی اُن کے ساتھ چلنے کو تیار نہیں۔ جو لوگ فہم دین کے معاملے میں ممتاز تھے اور ان کے ساتھ تھے اب ایک ایک کر کے کٹ چکے ہیں۔ ہمیں اس میں گوناگوں خطرات نظر آ رہے ہیں۔"

(چٹان ۲۴ جون ۱۹۶۳ء)

اے سنگ بر تو دعوئ طاقت مسلّم است
خود را نہ دیدۂ بہ کف شیشہ گر ہنوز

۵: کیا کتاب لکھتے وقت حضرت نے ایک لمحے کے لئے یہ بھی سوچا تھا کہ آپ کو ایک وقت مرنا اور اپنے رب کی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ وہاں اگر آپ کے الزامات محض بہتان و افترا ثابت ہو گئے تو حضرت اس کی پاداش سے کیا دے کر بچیں گے۔؟

ان الزامات کے ثبوت فراہم کرنے میں جیسی کچھ محنت کی گئی اور جس جانفشانی کے ساتھ ہزاروں صفحات کے مضامین میں سے لفظ لفظ چن کر "صحابہؓ کے سوانح" کا ایک مجموعہ تیار کیا گیا ..... ہم اس کمال فن کی داد تو ضرور دیتے ہیں کیونکہ ہم ہر کمال فن کے قدر شناس ہیں، خواہ وہ نقب زنی و جیب تراشی کا ہی کمال کیوں نہ ہو، مگر معلوم صرف یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اپنی دنیا اور عاقبت سنوارنے کی فکر چھوڑ کر آخر اس کام میں یہ عرق ریزی کیوں کی جا رہی ہے؟ اور یہ اصول قرآن، حدیث یا طریق سلف میں کہاں سے اخذ کیا گیا ہے کہ تم ضرور ڈھونڈ ڈھونڈ کر "اصحاب رسول" کو مطعون کرنے کے وجوہ تلاش کرو اور پھر بھی کام نہ چلے تو اپنی طرف سے کچھ لاکر فرد جرم مکمل کر دو۔[۱]

[۱] اس جواب کی پوری عبارت مولانا مودودی کی اپنی ہے۔ یہ ارشادات انہوں نے کبھی ترجمان القرآن میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کی ایک تحریر کا نوٹس لیتے ہوئے فرماتے تھے :۔

(ملاحظہ ہو ترجمان جلد ۳۶ عدد ۲ صہ ۱۰۸، د ۱۳۵)

بروزِ حشر اگر پرسند، خسرو را چرا کشتی
بگو اے جانِ من ! تا من ہماں گویم

۶: بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ ایک غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں جس پر ناقدین آپ کو ٹوکتے ہیں۔ لیکن آپ اصلاح کی بجائے اُس پر اور زیادہ اصرار کرتے ہیں اور پھر ہَلْ مِنْ مُبَارِز کہتے ہوئے مقابلہ کے لئے اُتر آتے ہیں۔ حالانکہ جن سوالات کا جواب دینے کے لئے آپ نے قلم اٹھایا ہے نہ تو یہ سوالات نئے ہیں اور نہ ان کا جواب پہلی دفعہ دیا گیا ہے صدیوں پہلے اس موضوع پر گفتگو ہو چکی ہے۔ علامہ ابن خلدون علماء امت میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور ان کی نامور تصنیف "مقدمہ" اسلامی لٹریچر کی ایک ممتاز کتاب شمار ہوتی ہے۔ علامہ موصوف نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے " خلافت، ملوکیت سے کیونکر بدل گئی" ہم اس پوری بحث کو یہاں نقل نہیں کر سکتے کیونکہ ایک تو ہمارا موضوع سخن ایسے مسائل نہیں ہیں دوسرے اس مختصر کتاب میں طویل کلام کی گنجائش نہیں ہے لیکن صرف یہ دکھانے کے لئے کہ اُنھوں نے اس پُرخار وادی میں قدم، رکھنے کے باوجود حضرات صحابہؓ کی روائے عظمت کو کس طرح محفوظ رکھا ہے اور اُن کے تقدس اور احترام کا کتنا لحاظ فرمایا ہے، ہم چند سطور کا ترجمہ یہاں درج کرتے ہیں۔

"جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جھگڑا رونما ہوا، تو اُن کا راستہ اس میں حق اور اجتہاد تھا۔ اُن کا ایک دوسرے سے لڑنا کسی دنیوی غرض یا باطل کی حمایت یا بَیر لینے کے لئے نہیں تھا، جیسا کہ ایک بدگمان

آدمی خیال کر سکتا ہے۔ اور ایک مُجتہد کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے۔ بلکہ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ حق کو معلوم کرنے میں اُن کے اجتہاد میں اختلاف ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے مطابق دوسرے کو غلطی پر قرار دیا۔ وہ حق کی خاطر ہی لڑے اگرچہ در اصل حق بجانب حضرت علیؓ ہی تھا، تاہم حضرت معاویہؓ کا ارادہ غلط نہیں تھا۔ بلکہ مقصد تو ٹھیک ہی تھا لیکن سمجھنے میں غلطی ہو گئی۔ بہر حال اپنے مقاصد میں سب حق پر تھے۔"

ص ۲۰۵

اس کے بعد علامہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد کیوں بنایا فصل نمبر میں اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اُن کے بیان کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں:

حضرت معاویہؓ نے یزید کو جو ولی عہد بنایا تھا تو انہوں نے اسی میں اجتماعی مصلحت اور امت کا فائدہ سمجھا تھا۔ اس وقت تک یزید کے بارہ میں لوگوں کا گمان اچھا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے متعلق اس سلسلہ میں کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی۔ اُن کا عادل صحابی ہونا اس سے مانع ہے۔ پھر بڑے بڑے صحابہؓ اس وقت موجود تھے۔ اُن کا خاموش رہنا بھی اسی کی دلیل ہے کہ انہیں کوئی بدگمانی نہیں تھی ورنہ تو وہ لوگ حق کے بارے میں تساہل برتنے والے نہیں تھے۔ اور نہ حضرت معاویہؓ کو حق کی بات ان لینے میں کوئی تامل ہو سکتا تھا۔ وہ لوگ اس سے بالاتر تھے۔ رہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ تو اُن کی تو اس وقت کچھ عادت ہی ایسی بن گئی تھی کہ وہ لاتعلق رہتے تھے۔ رہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تو انہیں بے شک

اختلاف تھا۔ مگر کون سا اہم مسئلہ ہے جس میں کسی نہ کسی کو اختلاف رائے نہ ہو۔ یزید میں جو کچھ فسق و فجور ظاہر ہوا اس کے بعد ہوا۔ اور اُس وقت صحابہؓ کرام کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ اب کیا کرنا چاہئیے۔ کسی کی رائے خروج کی ہوئی جیسے حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ کسی نے حالات کے لحاظ سے اس رائے کو قبول نہ کیا۔ بہر حال ہر ایک کا اپنا اپنا اجتہاد تھا۔ کسی پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ وہ سب نیک نیت اور حق کے متلاشی تھے۔"

صہ ۲۰۶ و ۲۱۰ تا ۲۱۲

آگے چل کر علامہ نے پھر اسی سوال کو چھیڑا ہے کہ قرن اول میں جو اختلافات ہوئے ان کی کیا حیثیت ہے؟ لکھتے ہیں:

"صحابہؓ اور تابعینؒ میں جو اختلافات ہوئے، اُن کا مبنیٰ اجتہادی اختلاف تھا، جو ایسے دینی مسائل میں ہوتا تھا جن میں قرآن و حدیث کی واضح ہدایات موجود نہ ہوتی تھیں اس لئے ان حضرات کو اجتہاد سے کام لینا پڑتا تھا۔ ان میں سے کسی کو غلط کار اور گنہگار نہیں کہا جا سکتا اس لئے کسی کی عدالت میں کوئی شک نہیں کرنا چاہئیے اور کسی پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن کی جلالت شان تم جانتے ہو۔ اُن کے اقوال و افعال سب کسی نہ کسی دلیل پر مبنی ہوتے تھے۔ اُن حضرات کا عادل ہونا اہل سنت کے نزدیک طے شدہ مسئلہ ہے۔ معتزلہ کا ایک قول ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے مخالفین کو عادل نہیں سمجھتے مگر اہل حق میں سے کسی نے اس قول پر توجہ نہیں دی اور نہ کسی نے اس پر اعتماد کیا ہے۔"

صہ ۲۱۳ تا ۲۱۵

ابن خلدون کا یہ اقتباس پڑھ کر قارئین معلوم کر سکتے ہیں کہ مولانا مودودی کے "خیالات معتزلہ والے ہیں یا اہل حق والے" ؎

چیست یاراں بعد ازیں تدبیر ما
رخ سوئے مے خانہ دارد پیر ما

اسی فصل کے اخیر میں محقق ابن خلدون نے کیا پیاری بات کہی ہے کہ :
"سلف یعنی صحابہؓ اور تابعین کے افعال کو اسی (اجتہاد) پر محمول کیا جائے اسلئے کہ وہ امت کے سب سے برگزیدہ لوگ تھے۔ اگر ہم اُن کو بھی اپنے اعتراض کا نشانہ بنالیں تو کون بچ جاتا ہے جس کو عادل کہہ سکیں۔"
(صہ ۲۱۸)

علامہ ابن خلدون خود بھی ایک آزاد خیال عالم ہیں لیکن دیکھئے مقام کی نزاکت کا کتنا لحاظ فرماتے ہیں ؎

منفق گردید رأی بوعلی با رأی من

لیجئے رہی سہی توقع بھی ختم ہوگئی۔ خیال ہو سکتا تھا کہ آئمہ فقہ و حدیث تو بیچارے حدیث و فقہ کی بات جانتے ہیں، وہ تاریخی گتھیاں سلجھانا کیا جانیں؟ اور عمرانی مسائل کو کیا سمجھیں لیکن ابن خلدون نے تو بالکل کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ؟

تو تم کہاں مارے مارے پھرتے رہو گے؟

؎ میں بھی اس پر مرمٹا ناصح! تو کیا بے جا کیا! اک یہی تو سودائی تھا، دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

سیّدنا حضرت معاویہؓ پر الزام کا غلط ہونا

مولانا مودودی حضرت معاویہؓ سے اس قدر جلے بھنے ہوتے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ اُن کے لئے 'خلیفہ' کا لفظ تک بھی استعمال نہیں کرتے۔ اپنی 'تفسیر' میں ایک جگہ اُن کا نام لیتے ہوئے مدح وثنا کے انداز میں نہیں، بلکہ برسبیل مذمت اور احترام کے جذبات کے ساتھ نہیں بلکہ بڑے ہی رُوکھے پن سے فرماتے ہیں:

" امیر معاویہ اپنے عہد بادشاہی میں .... الخ

تفہیم القرآن صہ ۵۴۲ ج ۲

مولانا کا اندازِ سخن یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا مقام اُن کی نظروں میں نادر شاہ ایرانی اور محمد شاہ رنگیلا سے اونچا نہیں ہے۔ العیاذ باللہ

لاکھوں مودودی قربان کئے جاسکتے ہیں سیدنا معاویہؓ کی خاکِ کفِ پا پر۔ اور مودودی بیچارے کی کیا حیثیت ہے؟ یہاں تو پہلی صدی کے مجدد، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کو بھی کوئی نسبت نہیں ہے۔ امام عبد اللہ ابن مبارکؒ سے پوچھا گیا: "حضرت معاویہؓ بہتر ہیں یا عمر بن عبد العزیز؟" انہوں نے فرمایا: "حضرت معاویہؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرتے اور اُن کے گھوڑے پر غبار چڑھتا، وہی عمر بن عبد العزیز سے بہتر ہے"

(النبراس صہ ۵۵۱)

حضرت معاویہؓ کے محاسن کی تفصیل یا اُن پر کئے گئے اعتراضات کی تردید اس مختصر کتابچہ

میں ممکن نہیں ہے۔ البتہ ایک اصولی مسئلہ کے بارہ میں ہم کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔
کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ملوکیت کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے برخلاف شاہانہ وضع اختیار کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی یہ "ملوکیت" ایسی کوئی قابل نفرین اور گھناؤنی چیز ہے ... یا ... یہ حرف غلط بود آنچہ ما پنداشتیم والا قصہ ہے۔ ہمارے نزدیک وہ سیاسی اقدار ہی محل نظر ہیں جو اس دور میں سیاست کے علمبردار پیش کرتے ہیں۔

- اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ انہوں نے دعا کی تھی:

رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي (سورہ ص ۳۵)

اے میرے پروردگار! مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے سوا کسی کو نہ ملے۔"

اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہانہ کر و فر اور سج دھج کی تفصیل بھی قرآن میں پڑھ لیجئے:

- ایک دوسرے پیغمبر حضرت شموئیل علیہ السلام کے واقعات میں جہاد کا ذکر آیا تو فرمایا گیا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا

(البقرہ: ۲۴۷)

اُن سے اُن کے نبی نے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔

معلوم رہے کہ اُس وقت نبوّت اور بادشاہت دو جداگانہ منصب تھے۔ ظاہری نظم و نسق بادشاہ سے متعلق ہوتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس موقعہ پر ان ہی

طالوت کی ماتحتی میں جہاد کیا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ بعد میں حضرت داؤد علیہ السلام، طالوت کے داماد بنے۔ پھر جب وہ منصب نبوت پر سرفراز ہوئے تو انہیں نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی سپرد ہوئی۔

ھ۔ بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا (مائدہ: ۲۰)

تم میں نبی بنائے اور تمہیں بادشاہ بھی بنایا۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ جو بادشاہت اور ملوکیت اللہ کی رضا کے کام آئے، وہ بھی ایک عطیۂ خداوندی اور گراں قدر نعمت ہے جس کی استدعا اللہ کے پیارے نبی تک کر سکتے ہیں مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں:

"یورپ زدوں کا ایک گروہ جسے اپنی یورپ زدگی کا احساس نہیں ہے، کچھ دنوں سے اس قسم کے خیالات پھیلا رہا ہے کہ بادشاہی یا ملوکیت کا اسلام سخت مخالف ہے اور اسی لئے تیس سال عہد خلافت راشدہ کے بعد، اس کا خیال ہے کہ تیرہ سو سال تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اپنے پیغمبر کی باغی رہی ہے یا دوسرے لفظوں میں نبوت ناکام رہی ہے لیکن وہ قرآن کے سلیمانی قصص کا کیا جواب دیتے ہیں، یا اسرائیلیوں پر احسان جتلاتے ہوئے "جعلکم ملوکا" کو بھی خدا کا احسان ٹھہرایا گیا ہے۔ نظریۂ ملوکیت اگر غلط ہے تو ان آیتوں کی کوئی نئی تفسیر کرنی چاہیئے۔ پس سچ یہ ہے کہ جمہوریت ہو یا ملوکیت اس کا حال وہی شاعری کا ہے۔ یعنی حَسَنُهٗ حَسَنٌ وَقَبِيحُهٗ قَبِيحٌ (اچھی شاعری اچھی چیز ہے، بری شاعری بری چیز ہے) . . . . اور بھلائی و برائی

کا معیار یورپ نہیں قرآن ہے۔"

(اسلامی معاشیات صہ ۳، ۵)

آخر یہ کہاں کی منطق ہے کہ ملوکیت یا بادشاہی کا لفظ سامنے آتے ہی آپ کا طائرِ خیال واجد علی شاہ لکھنوی اور محمد شاہ رنگیلے تک جا پہنچتا ہے۔ کیا بادشاہوں ہی کے زمرہ میں شمس الدین التمش جیسے صالح اور متقی، اور نورالدین زنگی جیسے دین دوست اور متشرع نہیں گذرے؟ اگر 'بادشاہ' ہزاروں کی سیرتوں کو داغدار نہیں کر سکتا تو مانا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بادشاہ ہی سہی، اُن کی ملوکیت کیوں گوارا نہیں ہے جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا شرف بھی رکھتے ہیں؟ رہ رہ کے یہی سوال دہرایا جاتا ہے کہ یزید ایک فاسق و فاجر آدمی تھا، حضرت معاویہؓ نے اُسے ولی عہد کیونکر بنالیا؟ تو اگر ابن خلدون کی دقیقہ رسی آپ کو حاصل نہیں ہے تو کم از کم یہی موٹی بات اپنے ذہن میں رکھئے کہ یزید کوئی مادر زاد فاسق نہیں تھا۔ جن 'کارناموں' کی وجہ سے اُس کا چہرہ اب ہمیں سیاہ نظر آتا ہے، یہ رنگ تو خلافت سنبھالنے کے بعد اس پر چڑھا تھا۔ جس وقت اُس کے حق میں بیعت لی گئی تھی اگر اُس وقت بھی وہ کوئی صالح اور متقی انسان شمار نہ ہوتا تھا، لیکن اس نفسیاتی اصول کے مطابق کہ:

ذمہ داریوں کا بوجھ انسان کو اپنے آپ اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ اُن سے عہدہ برآ ہو سکے۔ حضرت معاویہؓ کو توقع تھی کہ وہ اپنے انفرادی نقائص کی اصلاح کرے گا۔

کتب تاریخ میں آپ سیدنا صدیق اکبرؓ کا وہ عہد نامہ دیکھ سکتے ہیں جو آپ نے وفات سے قبل حضرت فاروق اعظمؓ کے حق میں لکھوایا تھا۔ اُس کا ایک حصہ یہ ہے:

'میں نے تم پر عمر بن خطاب کو مقرر کیا ہے اور اپنی طرف سے میں نے تمہاری خیر خواہی میں کمی نہیں کی۔ اگر وہ انصاف کریں گے تو مجھے اُن سے یہی امید ہے

اور اگر قدا لغزا مستہ ظلم کریں تو میں کوئی عالم الغیب نہیں ہوں میرا ارادہ ہر حال بھلائی کا ہے۔"

تو کیا حضرت معاویہؓ عالم الغیب تھے کہ یزید کی کارستانیاں آپ اُن کے سر تھوپتے ہیں؟

ایک بات اور سن لیجئے:

- اگر کربلا کا دلگداز واقعہ سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لڑکے عمر کی قیادت میں پیش آیا اور نا اہل بیٹے کی وجہ سے باپ کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔
- اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں وہ شخص بھی شریک تھا جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا لڑکا اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پروردہ تھا، لیکن اس کے باوجود ان دونوں حضرات پر کوئی حرف نہیں آتا۔
- اگر ایک موقعہ پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعین ہو کر جاتے ہیں اور کسی مغالطہ میں آکر ناحق چند آدمیوں کو قتل کر دیتے ہیں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے آتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے اپنے آپ کو بری الذمہ ظاہر فرماتے ہیں۔

اللّٰھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد

متنو

سیاست کے کس لقمان حکیم نے آپ کو بتایا ہے کہ یزید کی تمام بداعمالیوں کے ذمہ دار حضرت معاویہؓ ہیں؟ سطحی نقطہ نظر سے دور ہٹیں، نگاہ کو گہرائی تک لے جائیں، آپ کو یاد ہوگا کہ سیدنا فاروق اعظمؓ، حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت والی رات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دن کو یاد کر کے ازراہ رشک فرماتے تھے:

"ابوبکرؓ! مجھ سے ساری عمر کی نیکیاں لے لیں، اُس ایک رات اور ایک دن کی نیکیاں مجھے دے دیں، پھر فرماتے کہ وصال شریف کا دن وہ دن تھا کہ بہت سے عرب مرتد ہو گئے تھے۔ اسلامی شیرازہ بکھر گیا تھا۔ اُس وقت ابوبکر صدیق رضؓ ہی تھے جن کے حُسنِ تدبر نے اسلام کی کشتی کو بچا لیا——"

اگر آپ دیانتداری سے سوچیں تو حضرت معاویہؓ کے خلافت سنبھالنے سے پہلے جو حالات پیدا ہو چکے تھے وہ کچھ کم تشویشناک نہ تھے۔ ان حالات میں اُمّتِ مسلمہ کو سنبھال لینا، دور دراز تک پھیلی ہوئی حکومت کا نظم ونسق بحال کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے بطریقِ احسن ان تمام فرائض کو سرانجام دیا۔ مؤرخین نے اس سال کو 'عام الجماعۃ' کا نام دیا۔ کیا یہی ایک سعادت کم ہے جو اُن کے حصہ میں آئی۔ ؟

ع عیب او گفتی ہنرش نیز بگو

اگر خلافت وملوکیت سے متعلقہ مسائل کا جواب دیتے ہوئے اصحابِؓ رسولؐ کو اعتراضات کا نشانہ بنانا ضروری ہے تو اپنے مقدر کا ماتم کیجیے کہ علماء امت کے حصہ میں اُن کی مدح سرائی آئی اور آپ کے حصہ میں بے باکانہ تنقید[1]۔ اس واژدوں بختی پر آپ اپنا سر پیٹ لیں، سینہ نوچ لیں بجا ہوگا۔

مناسب ہوگا کہ ہم اس موقعہ پر بریلوی مکتبِ خیال کے پیشوا، مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا ایک قول نقل کر دیں۔ فرماتے ہیں:

---

[1] اور کیا یہ جماعت اسلامی کے اس دستور کی عملی شکل تو نہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ "کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔"

" اللہ عزوجل نے سورہ حدید میں صحابۂ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔ ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا، جہاد کیا، دوسرے وہ کہ بعد میں، فرمایا: وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔۔۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے، تو جو کسی صحابی پر طعنہ کرے وہ اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔ اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں ہے رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرمادیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کروگے بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے، سر کھائے۔ خود جہنم جائے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: فی مُطْعنِ فذالک من کلاب الھاویۃ۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زبان طعن دراز کرے گا وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔"

(احکام شریعت حصہ اول ص ۹۹)

ہ بوٹا بوٹا پتہ پتہ حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی جانے باغ تو سارا جانے ہے

شعر کا وزن ٹوٹتا، تو یہاں شعر میں ترمیم کرکے "گل" کی بجائے "خار" کہنا زیادہ موزوں تھا۔

مولانا کی چند علمی غلطیاں

علمی لحاظ سے مولانا کو جو شہرت ایک طبقہ میں حاصل ہے۔ اُن کے پیشِ نظر اُن کی علمی غلطیاں نکالنا یقیناً ایک بڑی جسارت ہے۔ لیکن اُن کا اپنا رویہ ہماری اس جرأت کا باعث بنا ہے۔ اُن کے جو بھی خواہ اُن کی اس کتاب کو وقت کی بہترین تصنیف قرار دے رہے ہیں۔ انہیں آگاہ کرنے کے لئے بطور نمونہ چند باتوں کی ہم نشان دہی کرتے ہیں۔ شاید ان حضرات کو اپنے فیصلے پر نظرثانی کی توفیق ہو جائے:

۱۔ مولانا، کتاب کے صفحہ ۱۲ پر آیتِ کریمہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ لکھ کر اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

"پس نہیں، تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے"

مولانا کو عربی نحو کا یہ قاعدہ شاید معلوم نہیں یا ذہول ہو گیا ہے کہ قسم سے پہلے جو لا آتا ہے وہ لا زائدہ ہوتا ہے نہ کہ نافیہ۔ قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

۲۔ صفحہ ۵۴ پر وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ الخ پوری آیت لکھ کر يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

وہ میری بندگی کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں"

مولانا نے دونوں فعل مضارع کو امر اور نہی کے معنیٰ میں قرار دیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جملہ خبریہ ہے اور خبر ہی کا معنیٰ دے رہا ہے۔ مطلب کے لحاظ سے یہ اُس وعدے کا

جز و ہے جس کا ذکر اس مقام پر ہو رہا ہے۔

۳۔ عقیدہ طحاوی کی ایک عبارت ہے جس کا ترجمہ ہم نے "الصّحابۃ عدول" کی بحث میں حوالہ نمبر ۷ کے تحت نقل کیا ہے۔ اس میں ایک لفظ غور طلب ہے۔ مناسب ہوگا کہ پہلے ہم وہ اصل عبارت نقل کر دیں:

و نحبّ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم۔ ولا نفرط فی حب احد منھم ونبغض من یبغضھم وبغیر الخیر یذکرھم ولا نذکرھم الا بخیر وحبّھم دین و ایمان و احسان وبغضھم کفر و نفاق و طغیان۔

اس اقتباس میں چھ جملے ہیں۔ دوسرے جملے کا خط کشیدہ لفظ دیکھیے۔ آپ جانتے ہیں کہ افراط اور تفریط دو متضاد معنی رکھنے والے لفظ ہیں۔ افراط کے معنی "حد سے زیادہ تجاوز کرنا" اور تفریط کے معنی "کوتاہی کرنا" ہیں۔ دونوں کے فعل مضارع کی رسم الخط یکساں ہیں۔ اب زیر بحث لفظ کا سیاق سباق دیکھیے اور بتایئے کہ اسے نُفَرِّطُ پڑھنا ہے جیسا کہ ہم نے پڑھا ہے یا نُفْرِطُ پڑھنا چاہیے جیسا کہ مولانا مودودی نے سمجھا ہے۔ دونوں ترجمے پھر پڑھ لیجیے اور فیصلہ دیجیے:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحابؓ سے محبت رکھتے ہیں	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحابؓ کو محبوب رکھتے ہیں۔
اُن میں سے کسی کی محبت میں کوتاہی روا نہیں رکھتے۔ جو اُن سے بغض رکھتا ہو اور بھلائی کے بغیر اُن کا ذکر کرتا ہو	اُن میں سے کسی کی محبت میں حد سے نہیں گذرتے۔[1] اُن سے بغض رکھنے والے اور برائی کے ساتھ اُن کا ذکر

(مولانا مودودی)	(مصنف)
کرنے والے کو ہم ناپسند کرتے ہیں۔	ہم اُس سے بغض رکھتے ہیں۔

قوی قرائن کے بغیر کسی کی دیانت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہم اس موقعہ پر اتنا ضرور کہیں گے کہ اَلْاِنَاءُ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ اور مشہور ہے کہ دل کی بات زبان پر آجاتی ہے۔ عبارت بالا میں راقم السطور اور مولانا مودودی میں سے ہر ایک کا ترجمہ اس کے مافی الضمیر کو آشکارا کرتا ہے۔

۳۔ صفحہ ۳۲۹ پر ہے " ملا علی قاری نے حنفی نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے شرح فقہ اکبر میں حضرت علیؓ کی خلافت پر جو مفصل بحث کی ہے "

حنفیت اور شافعیت وغیرہ کا تعلق فقہی مسائل سے ہے۔ عقائد میں حنفی، شافعی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر مولانا مودودی حنفی نقطہ نظر کی بجائے اہل سنت کے نقطہ نظر کا لفظ استعمال فرماتے تو صحیح ہوتا۔

۴۔ مولانا نے اپنی کتاب میں شرح فقہ اکبر کا ایک طویل اقتباس دیا ہے۔ اس اقتباس میں ایک جگہ انہوں نے چند نقطے دے کر عبارت کے چند جملے حذف کر دیئے ہیں۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

لے حاشیہ صلا : مولانا مودودی کے ترجمہ میں یہاں پر " اور نہ کسی سے تبری کرتے ہیں "، کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ عقیدہ طحاوی کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اُس میں یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر فی الواقع یہ لفظ موجود ہوں تو ان سے ہمارے بیان کردہ معنیٰ کو ہی تقویت ملتی ہے۔

صحابہؓ کی ایک جماعت حضرت علیؓ کی امداد سے پیچھے رہی اور ایک جماعت نے ان سے مقابلہ کیا تو، اس سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ خلافت کے مسئلہ میں جن لوگوں نے ان سے اختلاف کیا وہ گمراہ ہیں۔ اس لئے کہ آپؓ کے مستحق امارت ہونے میں انہیں کوئی نزاع نہیں تھا بلکہ اُن کا اختلاف اُن کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے تھا۔ اُنہیں اس بات کا اعتراض تھا کہ آپؓ قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لے رہے، بلکہ بعض کو یہ بھی خیال تھا کہ آپؓ خود بھی اُن کے قتل کی طرف مائل تھے۔ اور اجتہادی غلطی کرنے والے کو نہ گمراہ کہا جاسکتا ہے نہ گنہگار۔"

(شرح فقہ اکبر صہ ۷۹)

یہ عبارت مولانا مودودی کے نظریے کے خلاف ہے کیونکہ وہ تو صحابہؓ کو صرف "غلط کار" سمجھتے ہیں۔ انہیں مخطی فی الاجتہاد قرار دینا تو خواہ مخواہ کی سخن سازی اور لیپا پوتی ہے جس کو وہ جائز نہیں سمجھتے۔ بہرحال بعنوان "کڑوا تھو تھو میٹھا ہپ ہپ"، اس عبارت کا حذف کر دینا دیانت کے خلاف اور مولانا کے علمی وقار کے منافی ہے۔

ایک قابلِ غور نکتہ

ملا علی قاریؒ ایک بڑے پایہ کے محدث، فقیہہ، متکلم اور سیرت نگار ہیں۔ اُن کی کتاب شرح فقہ اکبر، علم کلام کے موضوع پر ہے۔ لیکن محض اس وجہ سے کہ فقہی لحاظ سے وہ حنفی مسلک کے پیرو ہیں، اُن کی کلامی تصنیف میں بھی مولانا مودودی جیسے سخن شناس کو حنفیت ہی جھلک نظر آئی۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ مولانا مودودی خود بھی ایک خاص عقیدہ کی نگاہوں میں بیک وقت قرآن کے مفسر، حدیث کے رمز شناس، فقہ کے ماہر، علم کلام کے منتجر اور تاریخ کے عالم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِس لئے اُن کے نزدیک "خلافت و ملوکیت" اگرچہ فقط فلسفۂ تاریخ کی تصنیف ہو لیکن معتقدین تو اُسے "مجتہد" کی تصنیف کی حیثیت دیں گے۔ اور اس کے مندرجات عقائد بن کر ان کے دل و دماغ میں سرایت کر جائیں گے۔ اس قسم کا جو مواد تاریخی کتب میں موجود ہے ایک تو وہ مختلف گوشوں میں بکھرا ہوا ہے۔ دوسرے پڑھنے والے اُسے محض مؤرخین کا بیان سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ اس لئے وہ مواد اُس اعتقادی نقصان کا باعث نہیں بنا جو مولانا مودودی کے اس نادر مرقع سے پہنچا ہے۔

؎ دانشں اندوختہ، دل زکف انداختہ
آہ! زاں نقدِ گراں مایہ کہ در باختہ

مولانا مودودی کے لیے لمحۂ فکریہ

اس موقعہ پر ہم ایک اور اہم بات کی طرف مولانا کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ترمذی کے حوالے سے ایک طویل حدیث علامات قیامت کے بیان میں منقول ہے جس میں تیرھویں علامت مذکور ہے لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا اس امت کا پچھلا حصہ پہلے پر لعنت ملامت کرے گا۔ محدثین نے اس جملہ کی تشریح ان الفاظ سے فرمائی ہے کہ

"پچھلے لوگ سلف صالحین اور ائمہ مہدیین پر اعتراض کرنے لگ جائیں گے، برائی سے ان کا ذکر کریں گے اور ان کی پیروکاری نہیں کریں گے۔" ملاحظہ ہوں شروح مشکوٰۃ۔

جس طرح بقول مولانا مودودی خلافت ختم ہو کر اس کی بجائے ملوکیت یک بارگی نہیں آ گئی بلکہ تدریجاً خلافت کا زوال ہوا اور رفتہ رفتہ اس کی جگہ ملوکیت نے سنبھالی۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اسلاف امت پر الزام، دراز یوں اور طعن و تشنیع کی جو فصل شیطان اگائے گا تو یہ کام بھی ایک لمحے میں نہیں ہو جائے گا بلکہ رفتہ رفتہ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ ملت میں ایک فرقہ تو خیر اب بھی موجود ہے لیکن بحیثیت مجموعی جو امت کا مزاج بگڑ جائے گا تو اس شجرہ خبیثہ کی کاشت کے لئے زمین ہموار کرنے اور تخم ریزی کے جو مراحل طے ہوں گے کہیں مولانا مودودی تو نادانستہ اس کام میں تعاون نہیں کر رہے؟ خدا سے ڈرتے ہوئے سوچیئے۔

اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

ایک درسِ عبرت

مولانا محمد چراغ صاحب آف گوجرانوالہ، جو امام العصر حضرت علامہ انور شاہؒ سے تلمذ رکھتے ہیں، اُن کی مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تقاریر ترمذی "العرف الشذی" کے نام سے طبع ہو کر علمی حلقوں میں قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ اس کتاب کے صہ ۳۹۴ پر بیع مصراۃ کے بیان میں ایک حکایت درج ہے :

"ایک دفعہ بغداد کی مسجد رصافہ میں ایک حنفی اور ایک شافعی کے درمیان مصراۃ کے مسئلہ میں مناظرہ ہوا۔ شافعی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے استدلال کیا، حنفی نے کہا کہ تفقہ کے لحاظ سے ابوہریرہؓ کا کوئی پایہ نہیں ہے، اس لئے ان کی یہ روایت، جو خلاف قیاس ہے، قابل قبول نہیں، اتنے میں ایک کالا سانپ اس پر آن گرا، تو وہ عالم دوڑنے لگا مگر سانپ اُسے نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اُس کو کہا گیا تم اپنی بات سے توبہ کرو۔ اُس نے توبہ کر لی تو سانپ نے اسے چھوڑ دیا۔"

مولانا ممدوح بقید حیات ہیں اور جماعت اسلامی سے ان کا قریبی تعلق ہے۔ مولانا مودودی اگر چاہیں تو اس حکایت کے بارے میں اُن سے مزید اطمینان کر لیں۔

اس قسم کا ایک واقعہ حافظ ابن القیمؒ نے کتاب الروح میں ابو اسحٰق کی زبانی نقل کیا ہے کہتے ہیں :

"مجھے ایک مردے کو نہلانے کے لئے بلایا گیا۔ میں نے اُس کے منہ سے کپڑا ہٹایا

تو ایک موٹا سانپ اس کی گردن میں لپٹا ہوا تھا۔ آخر میں اُسے غسل دیئے بغیر چھوڑ کر چلا آیا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ صحابہؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا ،،

اگر یہ کتابیں مولانا مودودی کی نظر سے نہیں گذریں تو کم از کم استیعاب، ابن عبدالبر کو تو انہوں نے بار بار اور غور سے دیکھا ہوگا اور جگہ جگہ انہوں نے اپنی کتاب میں اس کے حوالے دیئے ہیں۔ اُسی میں یہ واقعہ دیکھ لیتے :

"علی بن زید بن جدعان کہتے ہیں، مجھے حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا : اس شخص کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو اس کا چہرہ سیاہ تھا۔ انھوں نے کہا : اس سے پوچھو، کیا بات ہے، میں نے کہا مجھے تو آپ ہی بتا دیں۔ فرمایا : یہ شخص حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتا تھا، میں اس کو روکتا تھا، مگر یہ نہ رکتا تھا تو میں نے کہا : یا اللہ ! یہ شخص ایسے دو آدمیوں کو بُرا بھلا کہتا ہے جن کے حساب میں وہ اعمال حسنہ گذر چکے ہیں۔ جو تو جانتا ہے۔ اے اللہ ! جو کچھ یہ کہتا ہے اگر وہ تجھے پسند نہیں تو اس کے بارے میں مجھے کوئی نشانی دکھا۔ اس کے بعد اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔"

(استیعاب صد ۴۹۳ ج ۲)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

'خلافت و ملوکیت' کو پڑھ کر مولانا مودودی کے بہت سے معتقدین کہہ دیتے ہیں کہ

- مولانا نے کونسی بات ایسی کہہ دی جو ناگفتنی تھی؟
- انھوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ دوسری کتابوں سے نقل کیا ہے۔

یہی بات دراصل مولانا مودودی خود بھی فرماتے ہیں۔ ہم اس کے جواب میں پہلے تو چند باتیں ایک ایسے شخص کی زبانی عرض کرتے ہیں جو اس وقت مولانا مودودی کی طرف سے 'وکیل صفائی' کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ ہماری مراد جناب ماہر القادری ایڈیٹر 'فاران' سے ہے۔ موصوف نے کبھی غلام احمد پرویز کے رد میں ایک پمفلٹ لکھا تھا جس کے دو اقتباس قابل ملاحظہ ہیں :

۱۔ جو کوئی امام جعفر صادق، ابوحنیفہ، مالک، احمد بن حنبل، شافعی، سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، اوزاعی، غزالی، عبدالقادر جیلانی، ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر سلف کے اسلام (یہاں پر مسلک کہہ لیجئے) کو نامعتبر سمجھتا ہے وہ یا تو فاتر العقل اور مخبوط الحواس ہے اور اگر یہ نہیں ہے، بلکہ وہ بقیہ ہوش وحواس ایسی باتیں کرتا ہے تو پھر وہ نفس کے اس فریب میں مبتلا ہے جو بڑھاوے دے دے کر آدمی کو گمراہی کا مستقل ایجنٹ بنا دیتا ہے "

(قول فیصل صہ ۲۲)

صحابہ کرامؓ کے بارہ میں ائمہ مجتہدین، محدثین، علماء عقائد اور مشائخ طریقت کے اقوال گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں ـــــــــ اب کیا فرماتے ہیں مولانا مودودی کے اندھے عقیدت مند اور ان کے دکیل صفائی بیچ اس مسئلہ کے کہ مولانا نے تمام علماء امت سے جو اختلاف کیا ہے تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے

۲- جب قرآن کریم کی شرح و تفسیر کے بارے میں کوئی اس سطح تک اُتر آئے کہ مجھے کوئی نہ کوئی نئی بات کہنی اور جدید فلسفہ پیش کرنا ہے تو پھر قرآن کریم سے ہر فلسفہ منسوب کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن کریم تو انسان کی صحت جسمانی کا نظام پیش کرتا ہے تو وہ قرآن کریم سے اپنے اس خود ساختہ نظریہ کی تائید میں دلیلیں لا سکتا ہے . . . . ؟

(قول فیصل صہ ۲۳)

جب قرآن کے ساتھ یہ ظلم ہو سکتا ہے، اور ہو رہا ہے، تو بیچاری تاریخ کا کیا کہنا ہے؟

ماہر القادری صاحب نے کبھی 'فاران' میں محمود احمد عباسی کی بدنام کتاب 'خلافت معاویہؓ و یزید' پر مفصل تبصرہ کیا تھا۔ نقش اول کی چند سطور ملاحظہ ہوں:

"دنیا کی ہر بُری سے بُری اور گھٹیا سے گھٹیا کتاب میں کچھ نہ کچھ معقول باتیں ضرور ملتی ہیں۔ جن ملحدوں نے وجودِ باری کے انکار پر کتابیں لکھی ہیں، اُن میں بھی بعض ایسی دلیلیں پائی جاتی ہیں جو عقل عومی کو اپیل کرتی ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھ کر معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہوتا ہے اور تحقیق کی بعض نئی راہیں کھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں ـــــــ تو اس قسم کی ـــــــ کتابوں کو کچھ

معقول دلیلوں، اور چند علمی و تاریخی اکتشافات کی بنا پر کیا سراہا جائے گا، اور ان کے مطالعہ کی لوگوں کو ترغیب دی جائے گی؟ ایک حق پسند اس قسم کی کتابوں کے بارہ میں ایسا رویہ ہرگز اختیار نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی کتابوں کو پڑھ کر کسی خاص جذبہ کے تحت اس پر ذہول طاری ہو جائے، مگر جب تنقید نگار ان کتابوں کی کمزوریوں کی نشان دہی کریں گے اور ان کے مجموعی تاثر کی مضرت کو سامنے لائیں گے اور اہل علم و دانش اور حق پسند ناقدین کی اکثریت ان کتابوں کو ناپسندیدہ قرار دے گی تو اس کے بعد اس ذہول کو دور ہو جانا چاہیئے!

اگر ایسی ناپسندیدہ کتابوں کی غلطیوں، کمزوریوں بلکہ گمراہیوں پر مطلع ہونے کے بعد بھی کوئی اپنے موقف پر بدستور جما رہتا ہے اور اپنی بات کی پچ کئے جاتا ہے۔ تو ایسے ضدی اہل قلم کی تحریریں اپنی تمام سنجیدہ دلیلوں اور زبان و بیان کی شوخی و شگفتگی کے باوجود، ذہن و فکر پر بُرے ہی نقش چھوڑتی ہیں اور جس طرح وہ کتابیں جن کو سراہا گیا ہے۔ بُری ہوتی ہیں، اس طرح اُن کی مدح سرائی اور غلط اندیش مصنفین کے غلط اور کمزور موقف کی مدافعت کے بھی بُرے اور ناپسندیدہ نتائج نکلتے ہیں۔۔۔۔۔۔

جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جمل و صفین کے معرکوں میں 'حق' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ میں تھا، اور جو معاملات حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آئے، اُن میں حضرت علیؓ کا موقف حق و صواب سے زیادہ قریب تھا، بلکہ حق کے مطابق تھا۔ صحابیت کے شرف و لحاظ کا احترام کرتے ہوئے نرم سے نرم لفظوں میں جمہور امت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ امیر معاویہؓ

سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی ۔۔۔۔۔ جو کوئی اپنی تاریخی تحقیق و اکتشاف کے زعم میں ۔۔۔۔۔ حقائق کو مشتبہ، مجروح اور غلط ثابت کرنا چاہتا ہے وہ حق و انصاف کے ساتھ درحقیقت ظلم کرتا ہے اور اسلامی ادب و روایت کے ایک بہت بڑے اصول تواتر پر ضرب لگاتا ہے۔ جمہور امت نے تاریخ کے تمام غلط و صحیح، ضعیف و قوی اور یقینی و مشتبہ واقعات و روایات کو اچھی طرح چھان پھٹک کر اور اُن کی جانچ پڑتال کر کے ہی یہ رائے قائم کی ہے۔"

(ماہنامہ فاران کراچی اشاعت ماہ ستمبر ۱۹۶۱ء)

اس اقتباس پر ہم اپنی طرف سے ایک حرف کے اضافہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ البتہ ماہر القادری صاحب سے اتنا پوچھتے ہیں کہ کیا مولانا مودودی کی طرف سے وکیل صفائی کی ذمہ داری قبول کرنے سے پہلے انہوں نے اپنا کوئی 'توبہ نامہ' شائع کیا ہے تاکہ جو لوگ برسوں پرانے فائل اس لئے محفوظ رکھتے ہیں کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آوے، اُن کا ناطقہ بند کیا جا سکے؟ اگر ایسا ہو تو 'توبہ نامہ' کی ایک کاپی ہمیں بھی بھجوا دیں، عین نوازش ہوگی۔

علاوہ ازیں ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ مولانا مودودی نے جو "کچھ" لکھا ہے وہ کتابوں سے نقل کیا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ:

۱۔ علماء امت میں سے کس نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی پالیسی بلاشبہ غلط تھی؟

۲۔ کس نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کو غلط کار کہا ہے؟

۳۔ کس نے یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جو رویہ اختیار کی تھی اس میں انہوں نے ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ (کفر) کے طریقہ پر عمل کیا؟

اعاذنا اللّٰہ من ھذہ الخرافات

علمائے امت ان ہفوات سے قطعی بری ہیں اور ان کے سر یہ الزام تھوپنا سراسر بہتان اور جھوٹ ہے

ایک عرصہ پہلے کی بات ہے کہ مولانا مودودی نے بخاری کی روایت لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات الخ کے متعلق فرمایا تھا کہ ایک جلیل القدر نبی کو کاذب قرار دینے کی بہ نسبت یہ سہل ہے کہ بخاری کے رُواۃ کو کاذب کہا جائے۔ آج ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط کار ٹھہرانے سے کہیں زیادہ سہل ہے کہ مولانا مودودی کو غلطی پر مان لیا جائے[1]

ہم اپنے جواب کو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ارشاد پر ختم کرتے ہیں۔ شاید

---

[1] جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں فرمایا ہے:
جب تم ایک شخص کو دیکھو کہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی پر حرف گیری کرتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق (بے دین) ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ قرآن برحق ہے اور جو کچھ حضورؐ لائے حق ہے۔ اور یہ سب کچھ ہم تک صحابہؓ کے واسطے سے پہنچا ہے تو صحابہؓ پر اعتراض کرنے کا مقصد اس کے سوائے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمارے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح پر قرآن و حدیث ہی کو بیکار بنا کر رکھ دیں تو اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ خود ان کو قابل اعتراض اور مجروح قرار دیا جائے۔

کسی طالب حق کو اس سے فائدہ پہنچ جائے ؛ فرماتے ہیں :

"اگر ہمارے سامنے کوئی آدمی ایسا آجائے جو بولنے میں اوروں سے زیادہ تیز طرار ہو تو کیا اُس کی طراری کی وجہ سے ہم دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دینگے؟"

(رسائل شیخ الاسلام ابن تیمیہ ، عقیدہ حمویہ صہ ۴۳۰)

حافظ تو برو ، بندگی پیر مغاں کن
بر دامن اُو دست زن و ز ہمہ بگسل

اس سلسلہ میں امام نوویؒ کے حوالے سے ایک قول ، جو اہل سنت والجماعت کے مسلک کی ترجمانی کرتا ہے جو پہلے گزر چکا ہے ۔ وہ بارہ ملاحظہ فرما لیا جائے ۔ صفحہ ۸۵

مولانا مودودی اور حکمتِ عملی

مولانا مودودی عمر بھر دوسروں کو حکمت عمل کا درس دیتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک آدمی اُس وقت تک ایک تحریک کی قیادت سنبھال ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ وہ حکمت عملی سے ناآشنا ہو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :

> اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام زندگی جن لوگوں کو قائم کرنا اور چلانا ہو انہیں آنکھیں بند کر کے حالات کا لحاظ کئے بغیر پورا کا پورا نسخۂ اسلام یکبارگی استعمال نہ کر ڈالنا چاہیئے بلکہ عقل اور بینائی سے کام لے کر زمان و مکان کے حالات کو ایک مومن کی فراست اور فقیہہ کی بصیرت و تدبر کے ساتھ ٹھیک ٹھیک جانچنا چاہیئے۔ جن احکام اور اصولوں کے نفاذ کے لئے حالات سازگار ہوں اُنہیں نافذ کرنا چاہیئے اور جن کے لئے حالات سازگار نہ ہوں اُن کو موخر رکھ کر پہلے وہ تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جن سے اُن کے نفاذ کے لئے فضا موافق ہو سکے اسی چیز کا نام حکمت یا حکمت عملی ہے۔ جس کی ایک نہیں بیسیوں مثالیں شارع علیہ السلام کے اقوال اور طرزِ عمل میں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامتِ دین بدھوؤں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔

(تفہیمات صہ ۱۴۲، ج ۲)

اب ہم مولانا مودودی سے پوچھتے ہیں کہ جب آپ کا بنیادی مقصد ملک میں صالح

نظام" کو سے آنا ہے تو عقل و بینائی کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کر کے وقتاً فوقتاً آپ کی طرف سے ایسی باتیں کیوں وقوع میں آتی ہیں جو دین دار طبقہ کے لئے انقباض و دور بھاگ جانے، کا باعث بنتی ہیں۔ کبھی آپ ائمہ دین اور مجددین ملت پر تنقید کر رہے ہیں۔ کبھی صحابہ کرامؓ پر اعتراضات ہو رہے ہیں۔ کبھی آپ اسلامی فقہ کو منجمد شاستر قرار دے کر اجتہاد کے دروازے کھول رہے ہیں تو کبھی منعہ کے جواز کی صورتیں نکال رہے ہیں آخر یہ کیسی مومنانہ فراست اور فقیہانہ بصیرت ہے اور یہ کیا تدبر ہے کہ کسی رفیق کار ہی نے بڑے خلوص کے ساتھ آپ کو کسی غلطی سے آگاہ کیا تو آپ نے اُنہیں یہ جواب دیا: چلئے، جہاں دوسرے مجھے چھوڑ گئے ہیں وہاں ایک آپ بھی سہی۔ سبحان اللہ! کیا کتاب و سنت سے آپ نے یہی حکمت عملی سیکھی ہے؟

آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کو اساس ابراہیمی پر تعمیر فرمانا چاہتے تھے لیکن قوم کا لحاظ فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ارادہ کی تکمیل سے باز رہے۔

یہ کتاب جو آپ نے تصنیف فرمائی ہے، ہمارے نزدیک۔ تو ایک گناہ کا کام ہے، آپ کے نزدیک بھی زیادہ سے زیادہ یہ مباح ہی ہوگا۔ کوئی فرض یا سنت تو بہر حال نہیں ہے تو کیا آپ نے اس بات کا لحاظ فرمایا کہ دیندار حلقوں[1] میں اس کی وجہ سے کتنا تنفر پھیلے گا؟

---

[1] یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بہت سے اہل علم اور بعض دینی جماعتیں مثلاً تنظیم اہل سنت، انجمن اشاعۃ التوحید والسنۃ وغیرہ محض اسی کتاب کی وجہ سے مولانا مودودی سے بیزار ہو گئی ہیں ﴿ باقی اگلے صفحہ پر

پھیلے گا ۔ ؟

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جب ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دید قریش کو تبلیغ کرنے کے دوران ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کا آجانا ناگوار معلوم ہوا تو اس پر سورہ عبس نازل ہوئی اور اس کے بعد سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ حضرت عبداللہ رض سامنے آتے تو آپ مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی کہہ کر انہیں اپنے پاس بٹھا لیتے ۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ رفقاء کار کے انتخاب کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی ہے :

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا
مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ (انعام ۵۲)

اُن لوگوں کو دُور نہ کیجیے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں ۔ اُس کی رضا چاہتے ہیں ۔ اُن کے حساب میں سے کچھ بھی آپ کے ذمہ نہیں ہے ۔ اور نہ آپ کے حساب میں سے کوئی چیز اُن کے ذمہ ہے کہ آپ ان کو بھگا دیں ۔

حاشیہ صفحہ نمبر ۱۲۵ سے آگے

ے ساقیا تنگ دل از شورش مستاں نشوی
تو خود انصاف بدہ ایں ہمہ ہنگامہ کہ بست

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ
وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَلَيْكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ
زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا
وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝

(کہف : ۲۸)

آپ اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ رو کے رہیئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ اُس کی رضا چاہتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹ نہ جائیں۔ آپ اُس شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گذر رہا ہے۔

تو کیا آپ نے کبھی ان ہدایات ربانی اور اُسوہ نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو پیش نظر رکھا ؟

چلئے آخر میں ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ عثمان و علی، عائشہ و معاویہ، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کے نہیں ہمارے ہیں، لیکن کیا آپ نہیں جانتے کہ ملک میں ان کے کروڑوں اندھے عقیدت مند بھی ہاں: اندھے عقیدتمند! اہلسنت کو اسی پر اصرار ہے اور فخر بھی ہلتے ہیں تو کیا آپ نے اُن کے جذبات کی قدر کی ؟ ؎

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام ؟
تم بیٹھ کے سنوارا کرو گیسو اپنے !

۱۹۵۱ء میں ملک کے لیے اسلامی آئین کا سوال اٹھا تو مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے طبع نازک رکھنے کے باوجود، پتہ نہیں، کس کس کے دروازے پر جاکر دستک دی اور کس کس کی منت سماجت کی، بہر حال مختلف مکاتب فکر کے اکابر کو یک جا کر دیا۔

۱۹۵۳ء میں مجاہد العصر سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمنوا بزرگوں نے تحریک "تحفظ ختم نبوت" چلانا چاہا تو مولانا ابوالحسنات (بریلوی) کے آگے ہاتھ جوڑے، حافظ کفایت حسین شیعی مجتہد اور سید مظفر علی شمسی کی خوشامد کی مولانا محمد داؤد غزنویؒ اور مولانا محمد اسمٰعیلؒ (اہل حدیث) کو دعوت دی۔ خود جناب محترم سے درخواست کی[ـه] اس طرح برِسرزمین پاک کی تاریخ میں ایک باب کا اضافہ ہوا کہ یہاں کے عوام اور علما فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک عظیم مقصد کے لیے کفن بردوش میدانِ عمل میں آئے

آپ اور آپ کے رفقاء کی طرف سے بلند بانگ دعاوی سننے میں آتے ہیں کہ ہماری جماعت پورے دین کے لیے جدوجہد کر رہی ہے لیکن اس عظیم نصب العین کی خاطر علمی اور دینی حلقوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے آج تک کتنی مرتبہ کوشش کی گئی ہے؟ اُلٹا خود پنداری کا یہ عالم ہے کہ نہ اخلاف میں کوئی آپ کے معیار پر پورا اترتا ہے نہ اسلاف میں۔ ؎

غرورِ زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

خورد بینیں لگا کر آئیڈیل شخصیتوں کی عیب جوئی کی جاتی ہے۔ خیر خواہوں اور مخلصین نے فہمائش کی، لیکن آپ کی روش تبدیل نہ ہوئی۔ نتیجۃً دینی حلقوں میں آپ سے بدظنی پیدا ہوئی۔ اب فرمائیے کہ کیا اسی کا نام حکمت عملی یا مصلحت اندیشی ہے؟ ؎

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا وہ لہو کیا ہے

ـه گو جناب وفاداری کا ثبوت نہ دے سکے۔

گر تو برا نہ مانے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بغض غیرتمیں اللہ کو پسند ہیں"

وہ جو حق کی خاطر ہوں وحدانیت باری تعالیٰ، ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم، ناموسِ صحابہؓ، احترام ائمہ و اولیاء کی خاطر ایک غیرتمند اور حق پرست انسان کے جذبات میں تلاطم برپا ہونا خلاف توقع نہیں ہے۔ آخر بخاری میں سیدنا صدیق اکبرؓ جیسے حلیم اور بردبار انسان کے بھی یہ کلمات موجود ہیں جو آپ نے حدیبیہ کے مقام پر عروہ کو فرمائے تھے۔ "امصص بظر اللات" مولانا مودودی خود بھی یہ تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے:

> "میرا یہ طریقہ بھی نہیں ہے کہ جو مجھے کوئی ٹھوکر مارے میں اُس کے آگے سر جھکا دوں۔ یہ طریقہ نہ اُس کام کی عزت کے مطابق ہے جسے میں کر رہا ہوں اور نہ اس طریقے سے فی الواقع دین ہی کی کوئی مصلحت پوری ہو سکتی ہے۔"
>
> (ترجمان القرآن صہ۱۵۹ ج ۳۵)

آج صحابہؓ کے بارے میں مولانا کی زیادتیوں کے خلاف منبر و محراب سے اگر کوئی صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے تو "مصالح نظام کے علمبردار" جز بزگیوں ہوتے ہیں۔

ع وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

ہم نے اپنی گذارشات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی علیک بالرفق
وایاک والعنف والفحش کے مطابق اپنا رویہ رکھا ہے لیکن

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

اس بات کی تو ہمیں اجازت ہونی چاہیئے کہ جو الفاظ مولانا مودودی نے اکابر علماء
کے بارے میں استعمال فرمائے تھے، آج وہ ہم ان پر لوٹا دیں؛ حالانکہ مولانا نے وہ
"کلمات طیبہ" اپنی ذات سے مدافعت کے سلسلہ میں ارشاد فرمائے تھے اور ہم اصحاب
رسول سے دفاع کے سلسلے میں عرض کرتے ہیں:

میں اور ذوق بادہ کشی ؟ لے گئیں مجھے
یہ کم نگاہیاں تری بزم شراب میں

قارئین کو معلوم ہوگا کہ چند سال قبل مولانا مودودی کے خلاف مختلف مکاتب فکر
کی طرف سے متعدد رسائل شائع ہوئے تھے اور اللہ گواہ ہے کہ اس قسم کی کارروائی سے
جو لوگ اس وقت کرب و اذیت محسوس کرتے تھے، ان میں سے یہ ناچیز بھی ہے۔

مولانا مودودی کی زبان کی شستگی اور پاکیزگی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے حضرات
زحمت گوارا فرما کر ترجمان القرآن کے ان اوراق کا مطالعہ فرمائیں جن میں انہوں
نے اپنے مخالف علماء کے حق میں کمینہ قسم کے مخالف، متعصب، حاسد، کینہ توز، کم ہمت
نااہل، مناع للخیر، الزام اور بہتان تراش، غرض پرست اور دنی وغیرہ کے
الفاظ استعمال فرمائے ہیں:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

ماہنامہ ترجمان القرآن میں جوابات آتے تھے۔ پرچے کا پرانا فائل ہمارے سامنے ہے۔ صفحہ ۱۵۹ اج ۲۵ میں مولانا نے مفتی سعید احمد صاحب، مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی، مولانا اعزاز علی صاحب اور مفتی مہدی حسن صاحب کے فتووں کے بارہ میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا۔ راقم اسے اپنے معروضہ کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

مولانا مودودی نے ارشاد فرمایا ہے:-	اگر جان بخشی ہو تو یہ ناچیز عرض کرتا ہے:-
یہ حضرات اس مقام سے گذر چکے ہیں جہاں ان کو خطاب کرنا مناسب اور مفید ہو۔ سب سے زیادہ افسوس مجھے مولانا کفایت اللہ صاحب پر ہے کیونکہ میں ۲۲ سال سے اُن کا نیاز مند ہوں اور ہمیشہ اُن کا احترام کرتا رہا ہوں۔ افسوس کہ انہوں نے جماعتی عصبیت میں آنکھیں بند کر کے یہ فتویٰ تحریر فرمادیا۔ یہ بہت بُرا توشۂ آخرت ہے جو اُنہوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں اپنے ساتھ لیا ہے، رہے دوسرے حضرات تو اُن کے فتوے پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ جس وقت یہ فتوے لکھے جا رہے تھے اسوقت	صانع نظام کے علمبردار حضرات اس مقام سے گذر چکے ہیں جہاں انکو خطاب کرنا مناسب اور مفید ہو۔ سب سے زیادہ افسوس مجھے خود مولانا مودودی صاحب پر ہے کیونکہ میں عرصہ دراز تک انکا عقیدتمند رہا ہوں اور ہمیشہ اُن کا احترام کرتا رہا ہوں۔ افسوس کہ انہوں نے تاویلی ریسرچ کے نشہ میں آنکھیں بند کر کے یہ کتاب خلافت و ملوکیت تحریر فرمادی یہ بہت بُرا توشۂ آخرت ہے جو انہوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں اپنے ساتھ لیا ہے . . . . . . اُن کی کتاب پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ جس وقت یہ کتاب لکھی جا رہی تھی اس وقت خدا

خدا کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس شاید اُن کے قریب بھی موجود نہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں ان حضرات کے ساتھ بڑا حسنِ ظن رکھتا تھا، مگر اب اُن کے یہ فتوے دیکھ کر تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ بریلوی طبقہ کے فتوے باز دکافر ساز مولویوں سے ان کا مقام کچھ بھی اونچا نہیں۔

کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس شاید اُن کے قریب بھی موجود نہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اُن کے ساتھ بڑا حسنِ ظن رکھتا تھا۔ مگر اب اُن کی یہ کتاب دیکھ کر تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اہلِ تشیع کے سبّی اور تبرّا کرنے والے گروہ سے اُن کا مقام کچھ بھی اونچا نہیں۔

یہ بھی سُن لیجئے کہ علماءِ کرام کے جن فتووں پر مولانا مودودی نے اس قدر غیظ و غضب کا اظہار فرمایا ہے اُن میں کیا لکھا گیا تھا۔ مولانا مفتی کفایت اللہ رح کا فتویٰ ترجمان کے صفحات میں موجود ہے لبطورِ نمونہ اس کا متن درج ذیل ہے:-

" مودودی جماعت کے امیر مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کو میں جانتا ہوں۔ وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔ اگرچہ اُن کی اپنی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے تاہم دینی رجحان ضعیف ہے، اجتہادی شان نمایاں ہے اور اسی وجہ سے اُن کے مضامین میں بڑے بڑے علماءِ اعلام بلکہ صحابہ کرام رض پر بھی اعتراضات ہیں۔ اِس لئے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنا چاہیئے اور ان سے میل جول، ربط و اتحاد نہ رکھنا چاہیئے۔ ان کے مضامین بظاہر دلکش اور اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں

ہی وہ باتیں دل میں بیٹھتی جاتی ہیں جو طبیعت کو آزاد کر دیتی ہیں اور بزرگانِ اسلام سے بدظنی بنا دیتی ہیں۔"

(ترجمان اسلام صہ ۱۴ ج ۳۶ عدد ۲)

یہ ہے وہ تحریر جسے مولانا مودودی نے برِصغیر کے مفتی اعظم کی ۴۲ سال کی نیاز مندی کے بعد، اُن کے لئے "بُرا توشۂ آخرت" قرار دیا۔ اس فتویٰ کے لفظ لفظ کو پڑھیے اور "خلافت و ملوکیت" سے موازنہ کیجئے کہ مولانا مودودی نے عمر کے آخری دور میں کیسا توشۂ آخرت تیار کیا ہے۔

اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن ایک تو یہ موضوع خود ہمارے نزدیک ناخوشگوار ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ؎

اندکے گفتم بپیش تو غمِ دل، بترسیدم
کہ آزردہ شوی، ورنہ سخن بسیار است

آخری التماس

مولانا مودودی فرماتے ہیں اور اُن کا یہ فرمان بڑا امید افزا ہے :

" ہمارا ہمیشہ سے یہ اعلان ہے اور آج بھی ہم اس پر قائم ہیں کہ ہماری جس بات کو خدا کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کی سنت کے خلاف ثابت کر دیا جائے ہم بلا تامل اس سے رجوع کر لیں گے ۔"

(ترجمان القرآن جلد ۳۶ عدد ۲ صہ ۱۱۸)

ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے قرآنؐ حدیث اور علماء سلف کے حوالوں سے کیا ہے۔
اس لئے مولانا کی خدمت میں نہایت مخلصانہ اور خیر خواہانہ التماس[1] ہے کہ :

" ہر توبت پر اور کسی غلطی اور زیادتی میں دور سے دور پہنچ جانے کے بعد بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ مولانا سے ہم اس جرأت ایمانی کی توقع رکھتے ہیں کیا عجیب ہے کہ ہماری یہ گذارشیں اُن کے سینہ کو قبول حق کے لئے کھول دیں ـــــ اور اگر ـــــ خدانخواستہ وہ اسی انداز پر اپنی اس بدنام کتاب کی

---

[1] اس التماس کے لئے ہم نے الفاظ ماہر القادری صاحب سے لئے ہیں۔ صرف خط کشیدہ الفاظ ہمیں تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ انہوں نے اِن الفاظ سے عامر عثمانی صاحب کو خطاب کیا تھا (ملاحظہ ہو فاران ماہ ستمبر ۶۱ء)

تائید و مدافعت پر جمے رہے، تو اہل حق یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مصری اوباشوں اور خوارج کی تلواروں کی طرح اُن کے قلم نے بھی اصحاب رسولؐ کے ساتھ ظلم روا رکھا ہے ...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق شناسی، حق گوئی اور حق کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے!"

محترم مولانا! ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ کبھی آپ نے لکھا تھا:

"ہم اور ہمارے مخالفین، دونوں اپنا اپنا نامۂ اعمال خود تیار کر رہے ہیں جن اعمال کو ہم اپنے حساب میں درج کرانا چاہتے ہیں، اُن کے لئے کوشاں ہیں اور دوسرے فضول کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتے ..... ایک وقت آئے گا کہ ہم سب کے ہاتھ میں اپنا اپنا تیار کردہ کارنامۂ حیات دے دیا جائے گا اور حکم ہوگا کہ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا" (ترجمان القرآن جلد ۳۵ عدد ۵)

اے کاش! آپ اسی کی ہی لاج رکھ لیں ـــــ ورنہ تو ـــــ

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

تم جو چاہو کر لو، تم جو کچھ کر رہے ہو یقیناً وہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

ہم اپنی معروضات کو اس ارشادِ ربانی پر ختم کرتے ہیں:

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

تمّ هذا الكتابُ لليلة النصف من شعبان ۱۳۷۶ھ ولله الحمد

مآخذ

۱۔ القرآن الحکیم
۲۔ صحیح بخاری
۳۔ صحیح مسلم مع نووی
۴۔ سُنن ابی داؤد
۵۔ جامع ترمذی
۶۔ سنن ابن ماجہ
۷۔ مؤطا امام مالکؒ
۸۔ مشکوٰۃ المصابیح
۹۔ جامع صغیر سیوطی
۱۰۔ فتح الباری
۱۱۔ اشعۃ اللمعات
۱۳۔ مسوّیٰ شرح مؤطا
۱۴۔ تدوین حدیث مولانا گیلانی
۱۵۔ تفسیر بیان القرآن
۱۶۔ تفسیر ماجدی
۱۷۔ عقیدۂ طحاوی
۱۸۔ شرح عقائد نسفیہ
۱۹۔ شرح فقہ اکبر
۲۰۔ الیواقیتُ و الجواہر
۲۱۔ غنیۃ الطالبین
۲۲۔ رسائل ابن تیمیہ
۲۳۔ تفہیمات الٰہیہ شاہ ولی اللہ
۲۴۔ شفا قاضی عیاض
۲۵۔ نسیم الریاض
۲۶۔ قرۃ العینین، شاہ ولی اللہ
۲۷۔ ازالۃ الخفاء ؍
۲۸۔ استیعاب ابن عبدالبر
۲۹۔ تذکرہ الحفاظ ذہبی
۳۰۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ
۳۱۔ مقدمہ ابن خلدون
۳۲۔ کتاب الروح ابن قیمؒ
۳۳۔ شریفی شرح سراجی
۳۴۔ وعظ استمرار التوبہ حضرت تھانوی
۳۵۔ سیرۃ النبیؐ، علامہ شبلی
۳۶۔ تاریخ اسلام اکبر شاہ خاں
۳۷۔ احکام الشریعۃ للفضل کیلوی
۳۸۔ تفہیمات، مولانا مودودی
۳۹۔ تنقیحات، مولانا مودودی
۴۰۔ سیاسی کشمکش ؍
۴۱۔ تجدید و احیائے دین ؍
۴۲۔ فائل ماہنامہ ترجمان القرآن
۴۳۔ ؍ سہ فت روزہ چٹان
۴۴۔ قول فیصل، ماہر القادری
۴۵۔ فائل ماہنامہ "فاران" کراچی

ضمیمہ

میں نے اپنی کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچا لینے کے بعد ایک محترم دوست کو بغرض مطالعہ دی جن کا ذہن مولانا مودودی کے قلم سے بہت متاثر ہے لیکن وہ سلیم الطبع آدمی ہیں، اور کسی کے ساتھ تعصب نہیں برتتے۔ انہوں نے کتاب کو دیکھ کر میری گذارش کے مطابق چند حل طلب شبہات قلمبند کر لئے اور مجھ سے اُن کے متعلق تسلی کرانی چاہی۔ اگرچہ ان شبہات کے جوابات گذشتہ اوراق میں موجود ہیں اور بغور اگر میری معروضات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ تاہم خیال یہ ہے کہ مولانا مودودی کی تصنیف اور راقم کے تبصرہ کو دیکھ لینے کے بعد زیادہ سے زیادہ جن سوالات کے پیدا ہونے کا احتمال ہے وہ یہی ہیں جو محترم موصوف نے پیش کئے ہیں۔ اس لئے اُن کے جواب میں جو کچھ میں نے لکھا مناسب معلوم ہوا کہ اسے سوالنامہ سمیت ضمیمہ کے طور پر کتاب میں شامل کر دیا جائے تاکہ قارئین کے لئے مزید اطمینان اور تسلی کا باعث ہو۔

محولہ بالا مکتوب

بخدمت مکرم و محترم جناب علامہ صاحب!

سلام مسنون! آپ کی تصنیف "صحابہ کرام اور ان پر تنقید؟" کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی اس مہربانی کا شکریہ۔

یہ بات صحیح ہے کہ مولانا مودودی کی کتاب کو دیکھنے سے خیالات پر اثر پڑتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں آدمی کی رائے میں تبدیلی ہو جاتی ہے میں خود بھی ایک گونہ اس سے متاثر تھا۔ اب بہت حد تک اطمینان ہو گیا ہے پھر بھی چند چیزیں ذہن میں کھٹکتی ہیں۔ اُن کی صفائی چاہتا ہوں۔

۱۔ آپ نے سرورق پر لکھا ہے کہ یہ تبصرہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہے لیکن اصل موضوع سے متعلق آپ کوئی آیت نہیں پیش کر سکے۔ آپ کا استدلال صرف احادیث اور علماء کے اقوال تک محدود رہا ہے۔ کیا قرآن کریم اس بارہ میں خاموش ہے؟ اور آپ کا اپنے تبصرہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں کہنا کیسے صحیح ہے؟

۲۔ فارسی کی مثل مشہور ہے "تا نباشد چیزکے، مردم نگویند چیزہا۔" مولانا مودودی نے جو کچھ لکھا ہے اس کے باقاعدہ دلائل دیئے ہیں۔ اگر اُن کے یہ دلائل صحیح نہ بھی ہوں تب بھی دال میں کچھ کالا ضرور ہو گا۔ ان

واقعات کی آخر کچھ تو اصلیت ہوگی۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ جو دلائل آپ حضرات پیش کرتے ہیں وہ انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں اور جو وہ پیش کرتے ہیں وہ آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہیں؟ عجیب ماجرا ہے۔

۳۔ آپ اور آپ جیسے دوسرے حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین کو معصوم نہ جاننے کے باوجود اُن کے دامنِ تقدس کو بے داغ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر اس کی کیا ضرورت ہے؟ کیا یہ صرف عقیدت کا نتیجہ نہیں ہے؟

۴۔ جہاں تک میں جانتا ہوں آپ نظریاتی لحاظ سے مولانا مودودی کے بڑے حامی رہے ہیں اور اُن کے بنیادی کام تحریک اقامتِ دین کی تعریف فرماتے رہے ہیں، لیکن اب کیا وہ اتنے بُرے ہوگئے ہیں کہ اُن کی مخالفت آپ نے اپنے اوپر فرض سمجھ لی۔ کیا آپ کے اس طرزِ عمل سے اُس بنیادی مقصد کو نقصان نہیں پہنچے گا؟

۵۔ میرے خیال میں آپ نے بھی اس حقیقت کو نظر انداز فرما دیا ہے کہ مولانا مودودی کوئی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ وہ دراصل اس سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ خلافت کی جگہ ملوکیت نے کیونکر لے لی۔ ظاہر ہے کہ ایک نظام کی جگہ دوسرا نظام تدریجاً لیتا ہے۔ اب اگر وہ حقائق صحیح ہوں جنکی نشاندہی مولانا مودودی نے فرمائی ہے تو کیا بعید ہے؟

فقط والسلام

خط کا جواب

محترمی جناب .... صاحب ! زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ! اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے کہ آپ نے پوری صفائی قلب سے اپنے شبہات اور خدشات کا اظہار کر دیا ہے۔ مجھے آپ کے خط سے محسوس ہوا کہ یہ سوالات جو مولانا مودودی کے عقیدتمندوں کی طرف سے بالعموم پیش کئے جاتے ہیں، اُن کے بارہ میں کتاب کے پڑھنے والے کی تشنگی ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے مجھے کچھ مزید عرض کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کا شکر گذار ہوں۔

کوشش کروں گا کہ مولانا مودودی کی تحریریں سامنے رکھ کر ہر سوال کا جواب دے سکوں !

واللہ الموفق ‘لما تُرید

جوابِ سوال نمبرا

میں نے جو لکھا ہے کہ یہ تبصرہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہے تو پوری کتاب کے متعلق لکھا ہے نہ کہ کسی ایک مسئلہ یا ہر مسئلہ کے متعلق۔ تو پوری کتاب میں احادیث اور اقوال کے علاوہ آیات بھی موجود ہیں۔ رہا آپ کا یہ پوچھنا کہ کیا قرآن کریم اس بارہ میں خاموش ہے؟ تو عرض ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب جلیلہ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل پر قرآن کریم کی بیسیوں آیات موجود ہیں۔ ازالۃ الخفاء مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اٹھا کر دیکھئے۔ ایک طویل فصل اس موضوع پر موجود ہے۔ ان آیات اور پھر مفسرین کے اقوال کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو جائے اور میں نے حتی الامکان اختصار سے کام لیا ہے۔ یہاں پر مولانا مودودی کی تفہیم القرآن سے چند حوالے بطور نمونہ نقل کرتا ہوں۔

الف

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض بیان کرتے ہوئے ایک لفظ فرمایا گیا ہے "یُزَکِّیْھِمْ" جس کا ترجمہ مولانا فرماتے ہیں۔

"اور اُن کی زندگیاں سنوارے" (تفہیم القرآن ص ۱۱۲ ج ۱)

پھر اس کی تشریح بھی خود اُن کی زبانی سنئے:

"زندگی سنوارنے میں خیالات، اخلاق، عادات، معاشرت، تمدن سیاست غرض ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔"

(حوالہ مذکور)

اب آپ سوچئے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تربیت دینے والے اور حضرات صحابہ کرامؓ تربیت پانے والے بہر حالت یہ ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سیاست میں خام اور ناپختہ۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ غلط کار اور قصور وار، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ فتنہ پرداز اور فسادی۔ حضرت معاویہؓ قیصر و کسریٰ کی طرز کے ایک ظالم و جابر بادشاہ۔ العیاذ باللہ!

مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ کبار صحابہؓ کا کردار یہی ہو تو پھر...... کیا یہ حملہ براہ راست شانِ رسالت پر نہیں ہوگا۔؟

جاں بلب بیاہیں سے کوئی، کوئی بدمستی سے
کیا یہی ہے ترا آب حیات اے ساقی؟

سورہ بقرہ کی آیت میں اُمَّۃً وَّسَطًا کے لفظ آئے ہیں۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"امت وسط" کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے

کو کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو۔ جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق، ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔"

(تفہیم القرآن صہ ۱۱۹ ج ۱)

قرآن کے اوّلین مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ اب سوچیے کہ ایک طرف قرآن مجید کا یہ خطاب جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا اور اس کی مذکورہ بالا تشریح، دوسری طرف مولانا مودودی کے یہ ارشادات کہ خلفاً راشدینؓ عدل و انصاف کی روش پر قائم نہ رہ سکے۔ عشرہ مبشرہ اور کبار صحابہؓ نے توسط کی راہ کو چھوڑ دیا۔ آپ کس کو صحیح مانیں گے اور کس کو غلط؟

ج

آیت کریمہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ، کی تشریح میں مولانا مودودی فرماتے ہیں:

" نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی امامت و رہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی نااہلی کے باعث معزول کئے جا چکے ہیں، اس پر اب تم مامور کئے گئے ہو، اس لئے کہ اخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامت عادلہ کے لئے ضروری ہیں یعنی نیکی کو قائم

کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ و عمل . . . . "

"تفہیم القرآن صہ ۲۷۹ ج ۱"

غور کیجیئے کہ قرآن کریم تو صحابہؓ کی جماعت کو دنیا کا امام و رہنما، امامت عادلہ کا مستحق اور سب سے بہتر انسانی گروہ قرار دیتا ہے۔ لیکن مولانا مودودی حضرت عثمانؓ کی پالیسی کو "قطعی غلط" قرار دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ کو غلط کار ٹھہراتے ہیں۔ دوسرے حضرات کو غیر قانونی کارروائیوں کا مرتکب بتاتے ہیں بعض کو سازشی اور بعض کو سادگی اور ابلہی سے مطعون کرتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور دیگر اموی صحابہؓ کو تو شاید اس گروہ میں شامل ہی نہیں مانتے ہوں گے۔

تفہیم القرآن کے دو جلد اس وقت میرے سامنے ہیں۔ ان میں پندرہ پارے آگئے ہیں اور ان میں بیسیوں آیات حضرات صحابہ کرامؓ کی تعریف میں آئی ہیں۔ جب دوسری تفسیریں اٹھا کر دیکھی جاتی ہیں تو نظر یہ آتا ہے کہ مفسرین صحابہؓ کی عظمت کو خوب کھول کر بیان کرتے ہیں لیکن مولانا مودودی اتنی تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگ کر گزر جاتے ہیں جیسے بجلی کوند کر نکل جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل اگر کہیں صحابہؓ کی اجتہادی خطا کا ذکر آجاتا ہے تو ان کا قلم خوب اپنے جوہر دکھانے لگتا ہے۔ خصوصیت سے اموی خاندان کے صحابہ کرامؓ کا نام نہایت روکھے پن سے لیتے ہیں۔ کہیں حضرت اور رضی اللہ عنہ کا نشان نہیں دیتے۔ حتیٰ کہ حضرت معاویہؓ کے تذکرہ میں بھی پوری خشکی دکھائی ہے یہ ان کی عنایت ہے کہ "خلافت و ملوکیت" میں حضرت اور رضؓ کا اضافہ

گوارا فرما لیا ہے۔

بایں ہمہ صحابہ کرامؓ کی عمومی منقبت اور فضیلت جو مذکورہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتی ہے، کیا اس کے بعد ان زیادتیوں کی کوئی گنجائش ہے جو "خلافت و ملوکیت" میں کی گئی ہیں۔؟

؎ گر حسنہ داری یا زحق لاہوت
بر دہانِ خود بنہ مہرِ سکوت

جوابِ سوال نمبر۲

آپ نے یہ خوب فرمایا کہ جب کبار صحابہؓ کو مطعون کرنے کے لئے مولانا مودودی نے تاریخی حوالہ جات کا انبار لگا دیا ہے تو ضرور دال میں کچھ کالا ہو گا۔ میرے محترم! یہ ایک انتہائی سطحی بات ہے جو آپ جیسے سنجیدہ آدمی کو زیب نہیں دیتی۔ آپ خوب سمجھتے کہ مخالف حلقوں کی طرف سے خود مولانا مودودی کی ذات پر کیسے کیسے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ امریکہ کا وظیفہ خوار اور ایجنٹ ہونا تو ایک عام الزام ہے اور سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ اُس کو دہرانے والے ہیں تو کیا آپ کا دل اس کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہے؟ مولانا مودودی نے اپنی کتاب میں طعن بازی کا سلسلہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ سے شروع کیا ہے لیکن کیا آپ نہیں جانتے کہ ایک طبقہ زبان درازی اور طعن و تشنیع کا یہ سلسلہ خلیفۂ اول سے شروع کرتا ہے۔ کل ہو سکتا ہے کہ کل کو مولانا مودودی خود یا اُن کا کوئی ہم مسلک اس طبقہ کی ہمنوائی میں حوالہ جات کا انبار لگا دے تو کیا پھر وہاں بھی آپ اپنے عقائد و نظریات کی شکست اس بودی دلیل کی بنا پر مان لیں گے۔؟

بلکہ اس سے بھی آگے چلئے مستشرقین تو شانِ رسالت تک کو مجروح ثابت کرنے کے لئے دلائل کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ کیا اُس وقت بھی آپ "نام باشد

چیز کے مردوم ذکر بند چیزیں کے اصول کو سامنے رکھ کر اپنے ایمان بالرسالت میں لچک پیدا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے؟

علمی دلائل کی دنیا میں بات وہ وزن رکھتی ہے جو واقعات اور براہین کی روشنی میں ثابت کر کے دکھا دی جائے "ایسا ہو گا اور ویسا ہو گا" یہ شکیہ جملے بالکل کھوکھلے اور بے وزن ہیں۔

یہ بات کہ جو دلائل ہم لوگ دیتے ہیں، مولانا مودودی انہیں نظرانداز کر دیتے ہیں تو اس کا جواب میرے ذمہ نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ حدیث کی معتبر کتابوں صحاح ستہ وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ عقائد کی مشہور اور مسلم کتابوں سے لیا ہے جن کے تعارف کی بھی ضرورت نہیں ہے ان کی تائید میں قرآنی آیات اور مفسرین کے اقوال پیش کئے ہیں۔ یہی چیزیں دین کا مدار ہیں۔ آپ مولانا مودودی سے پوچھئے کیا وہ بھی اپنی تائید میں قرآن و حدیث کی نصوص، فقہا اور متکلمین کی تصریحات پیش کر سکتے ہیں؟ اور ان واضح دلائل کے جواب میں کیا فرماتے ہیں جو مجھ جیسے نیازمند پیش کرتے ہیں۔

البتہ آپ کو مطمئن کرنے کے لئے ایک بیماری کی نشاندہی خود مولانا ہی کے فرمان سے کئے دیتا ہوں:

"جب کوئی شخص آپ کے پیش کردہ طریقے کو جانچنے کے بعد ایک دفعہ رد کر دیتا ہے تو اس کا ذہن کچھ اس طرح مخالف سمت میں چل پڑتا ہے کہ پھر آپ کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ کی دعوت کے لئے اس کے کان بہرے اور آپ کے طریقے کی خوبیوں کے لئے اس کی آنکھیں اندھی

ہوجاتی ہیں، اور صریح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ فی الواقع اس کے دل پر مہر لگی ہوئی ہے "۔

(تفہیم القرآن صہ ۵۲ ج ۱)

"بکثرت انسان ایسے ہیں جن کے سامنے آفاق اور انفس میں اللہ کی بے شمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں مگر وہ جانوروں کی طرح انہیں دیکھتے ہیں اور کوئی سبق حاصل نہیں کرتے . . . . . . ایسی ایسی نشانیاں اُن کے مشاہدے میں آتی ہیں جو قلب کو ایمان سے لبریز کردیں مگر چونکہ وہ مطالعہ کا آغاز ہی تعصب کے ساتھ کرتے ہیں اور اُن کے پیش نظر دنیا اور اُس کے فوائد و منافع کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے اس مشاہدہ کے دوران میں ان کو صداقت تک پہنچانے والی کوئی نشانی نہیں ملتی، بلکہ جو نشانی بھی سامنے آتی ہے وہ انہیں اُلٹی دہریت، الحاد، مادہ پرستی اور نیچریت ہی کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے "۔

(تفہیم القرآن صہ ۵۳۰ ج ۱)

آمَنَّا وَصَدَّقْنَا اب اس بیماری میں کہیں مولانا مودودی خود تو مبتلا نہیں ہوگئے۔ اس کی تشخیص آپ کرتے پھریں۔

باقی رہا یہ امر کہ جو تاریخی حوالے مولانا مودودی پیش کرتے ہیں، وہ کیوں ہم سے اوجھل ہیں۔ تو یاد رکھنے کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں نہ کہ طبری اور ابن اثیر پر۔ دریا کا پانی ریت کو بہا کر لے جاسکتا ہے لیکن کوہ پیکر موجیں پہاڑوں سے ٹکرا کر اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں بلکہ خود ہی پیچھے کو ہٹ آتی ہیں۔ کسی مؤرخ کی لکھی ہوئی کوئی بات اُسی وقت

قابل قبول ہوگی جب کہ قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو۔ ورنہ تو تاریخی روایات کا ایک سیلاب بھی امڈ آئے تو قرآن کی ایک آیت اپنی جگہ سے نہیں مل سکتی حدیث صحیح کا ایک جملہ تبدیل نہیں ہو سکتا اور یہ بھی آپ غلط سمجھتے ہیں کہ مولانا مودودی نے اپنی تائید میں جو تاریخی حوالے دیئے ہیں فی الواقع اُن کے نقل کرنے میں اُس دیانتداری اور علمی ثقاہت سے کام لیا ہے جن کی اُن سے توقع کی جا سکتی تھی" عادلانہ دفاع" کے ہر دو حصے غالباً آپ نے دیکھے ہوں گے فاضل مصنف نے بڑی محنت اور کاوش سے کام لے کر ایک ایک الزام کی حقیقت واضح کر دی ہے۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود آپ مولانا مودودی کے مُفتریات اور بہتانات کو مدلل حقائق سمجھ رہے ہیں۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ اُن روایات کی بھی کوئی حیثیت ہے جن سے کبار صحابہؓ کی شان مجروح ہوتی ہے تو مولانا مودودی ہی کے بیان فرمودہ اصول سے کام لے کر کیوں نہ اُن روایات کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے جو صحابہؓ کی عام زندگی اور مجموعی طرز عمل و مآخذ سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ مولانا فرماتے ہیں :

"جب دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم اُن روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو اُن کے مجموعی طرز عمل سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں اور خواہ مخواہ وہی روایات کیوں قبول کریں جو اس کی ضد نظر آتی ہیں"

(خلافت و ملوکیت صہ ۳۲۷)

جوابؒ سوال نمبر۳

آپ کا یہ سوال نہایت ہی تعجب خیز ہے کہ صحابہؓ کے دامن تقدس کو بے داغ ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اس کے جواب میں میں اتنا عرض کر دوں کہ آخر صحابہؓ کو غلط کار، مجرم اور گنہگار ثابت کرنے کا شوق کیوں ہے تو غالباً کافی ہو جائے گا۔ تاہم آپ کے اطمینان کے لئے مولانا مودودی کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں۔

"ہندوؤں میں بھی جب اخلاقی انحطاط انتہا کو پہنچ گیا، تو وہ لٹریچر تیار ہوا جس میں دیوتاؤں کی، رشیوں، منیوں اور اوتاروں کی غرض جو بلند ترین آئیڈیل قوم کے سامنے ہو سکتے تھے، اُن سب کی زندگیاں بد اخلاقی کے تارکول سے سیاہ کر ڈالی گئیں تاکہ یہ کہا جا سکے کہ جب ایسی عظیم الشان ہستیاں ان قبائح میں مبتلا ہو سکتی ہیں تو بھلا ہم معمولی فانی انسان ان میں مبتلا ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں اور پھر جب یہ افعال اتنے اونچے مرتبے والوں کے لئے بھی شرمناک نہیں ہیں تو ہمارے لئے کیوں ہوں۔"

(تفہیم القرآن صفحہ ۸۲ ج ۲)

خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت امت مسلمہ کے نزدیک آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ

تاجیہ کا معیار مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَ اَصۡحَابِیۡ فرما کر اس مقدس گروہ کو آئیڈیل قرار دے دیا ہے۔ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونکے، علماء امت ڈرتے ہیں کہ اگر صحابہؓ اور ائمہ دین کی تصاویر اس کیمرے سے کھینچی جاتی رہیں جس سے مولانا مودودی نے کام لیا ہے تو پھر دین اور دینی اقدار کا خدا محافظ۔

آپ ہمیں "عقیدت" کا طعنہ دیتے ہیں لیکن اللہ ہی جانتا ہے کہ زندگی کی سب سے بڑی تمنا یہی ہے کہ اسی عقیدت پر زندگی کے لمحات گذریں اور اسی پر موت آئے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنۡ یُّحِبُّکَ...

ع دیوانگیٔ عشق بڑی چیز ہے سیماب
یہ اس کا کرم ہے جسے دیوانہ بنا دے

دراصل شریعت مقدسہ کا حکم ہے کہ کسی صحابی کی کسی لغزش اور خطا کا علم ہو تو اُس سے کفِ لسان اور تسامح کیا جائے۔ اِذَا ذُکِرَ اَصۡحَابِیۡ فَاَمۡسِکُوۡا یہی عقیدہ اہلسنت والجماعت کی تمام کتب عقائد میں مذکور ہے اور اسی کی تبلیغ و تلقین علماء کر رہے ہیں۔ اب اسے خواہ عقیدت کا نام دیا جائے خواہ اور کوئی۔ بہرحال اسی کی رعایت کی جائے گی تو نجات ہے ورنہ تو ہلاکت اور تباہی۔

اَللّٰھُمَّ اَلۡھِمۡنَا رُشۡدَنَا وَاَعِذۡنَا مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا

جوابِ سوال نمبر ۴

مولانا مودودی کے ثنا خوانوں میں سے تنہا میں ہی نہیں بلکہ بہت سے دوسرے معتقد اہلِ علم بلکہ بعض علمی حلقے اُن سے برگشتہ ہو گئے ہیں اور آپ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہی ہم لوگوں کی حق پرستی کی دلیل ہے۔ اب تک مسلک کے اکابر علما کے اختلاف کے باوجود ہم مولانا کے محاسن کو ترجیح دیتے رہے اور اُن کی علمی غلطیوں کو قابلِ درگذر سمجھتے رہے لیکن دین، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی کا نہیں، جن تنکوں سے امید تھی کہ وہ آشیاں کے محافظ ثابت ہوں گے جب وہ بھی صیاد کے معاون بن کر آگ کو ہوا کرنے لگے تو کیا اب بھی اُن کو وفادار کہا جا سکتا ہے؟

اگر میں نے مولانا مودودی کی ذات کے بارے میں وہی مسلک اختیار کر لیا ہے جو وہ صحابہ کرامؓ اور علمائے دین کے بارے میں اختیار کرتے ہیں،

"اُن کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا"

(خلافت و ملوکیت صہ ۱۵۳)

تو اس پر اُن کے عقیدت مندوں کو اعتراض کیوں ہو؟

مولانا مودودی کا یہ ارشاد بھی قابلِ ملاحظہ ہے:

"ہر قوم کا بگاڑ ابتدائً چند افراد سے شروع ہوتا ہے۔ اگر قوم کا اجتماعی ضمیر زندہ ہوتا ہے تو رائے عام بگڑے ہوئے افراد کو دبائے رکھتی ہے اور قوم بحیثیت مجموعی بگڑنے نہیں پاتی۔ لیکن اگر قوم ان افراد کے معاملہ میں تساہل شروع کر دیتی ہے اور غلط کار لوگوں کو ملامت کرنے کی بجائے انہیں سوسائٹی میں غلط کاری کے لئے آزاد چھوڑ دیتی ہے تو پھر رفتہ رفتہ وہی خرابی جو پہلے سے چند افراد تک محدود تھی، پوری قوم میں پھیل کر رہتی ہے۔"

(تفہیم القرآن صہ ۲۹۶ ج ۱)

اب آپ سوچئے، مولانا مودودی پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی۔ وہ قرآن، حدیث اور علماء اُمّت کے متفقہ فیصلے کے خلاف ایک راہ اختیار کرتے ہیں۔ اگر دلائل کی روشنی میں انہیں ٹوکا جائے تو قیامت کیوں برپا ہو جاتی ہے؟ وہ اگر ائمہ دین پر اعتراض کریں تو اقامتِ دین کی تحریک کو تقویت پہنچتی ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کو مطعون ٹھہرائیں تو دین کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں لیکن علماء اگر ان کا محاسبہ کرتے ہیں تو دین کی عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔ علماء ملت کتنے ہی خلوص سے مشورہ دیں، کتنے ہی خیر خواہانہ جذبات کے ساتھ بات کریں وہ پھر بھی "مناع للخیر، اغراض پرست، رذیل اور کینہ توز" ہیں لیکن مولانا مودودی دین کی شہ رگ کو کاٹ کر رکھ دیں، وہ پھر بھی تحریک اسلامی کے سربراہ اور علمبردار۔ یہ اُلٹی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔

ے دوش سوئے میکدہ، آمد ز مسجد پیر ما
چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

جوابِ سوال نمبر ۵

اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آپ نے یہ سوال کر کے میرے علاوہ تمام اُن اہلِ علم کے حق میں زیادتی کی ہے جو مولانا مودودی سے اختلاف کرتے ہیں۔ گویا وہ اس درجہ کم فہم واقع ہوئے ہیں کہ تاریخ اور فلسفہ تاریخ میں بھی فرق نہیں کر سکتے۔ میں نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے کہ یہی سوالات جن کا جواب دینے کے لئے مولانا مودودی صحابہؓ کی ذات کو موردِ اعتراض بنانا ضروری سمجھتے ہیں، ابن خلدون جیسے مفکرین نے اس گناہ سے اپنا دامن محفوظ رکھتے ہوئے ان امور پہ بحث کی ہے۔ اگر آپ ضرورت سمجھیں تو مقدمہ ابن خلدون کا اردو ترجمہ موجود ہے اس میں یہ مباحث دیکھ لیں۔

آپ کی تحریر سے جگہ جگہ شک وارتیاب ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل رشد و ہدایت کی راہ پر چلنے سے آدمی کے قلب میں یقین واذعان پیدا ہوتا ہے اور کجروی سے عقائد میں تذبذب، خیالات میں تزلزل آتا ہے۔ اسی کا شکار مولانا مودودی خود بھی ہیں اور تمام وہ لوگ جو اُن کے ساتھ عقیدت میں حدود سے تجاوز کئے ہوئے ہیں۔ "ہو سکتا" اور چیز ہے اور "ہونا" اور چیز۔ کیا ہر وہ چیز جو ممکن ہے اسے واقع سمجھ لیا جائے۔ دنیا کا کوئی علم کلام اس کی تائید

نہیں کرے گا۔ میرا عریضہ طویل ہو گیا ہے لیکن آپ کے اطمینان کے لئے ہیں تھوڑی سی مزید سمع خراشی کی اجازت چاہتا ہوں تاکہ آپ دیکھ لیں کہ مولانا مودودی نے جن چیزوں کو حقائق، بناکر پیش کیا ہے فی الواقع اُن کی حیثیت کیا ہے ؟

الف : مولانا مودودی خلافت و ملوکیت کے ایک درجن صفحات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی اور حرف گیری میں خرچ کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"جب 'بلوائی' مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو انہوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے اُن کو جھڑک دیا۔ اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی"

(خلافت و ملوکیت صہ ۱۱۰)

جب حضرت علیؓ ، حضرت عثمانؓ کی پوزیشن کو صاف کر رہے ہیں تو اور کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اُسے داغ دار بتائے ؟ تمام الزامات غلط اور بے بنیاد ہو کر رہ گئے ، فرمایئے اور کیا چاہیئے ۔

ب : مولانا مودودی کا ایک اور الزام ملاحظہ ہو :

"پہلے فریق (حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ) نے بجائے اس کے کہ وہ مدینے جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے ورثا سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جا سکتی تھی، بصرے کا رُخ کیا اور فوج جمع کر کے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی ، خلافت و ملوکیت صہ ۱۳۶

اب کیا یہ "حقیقت" ہے۔ کتاب کا صرف ایک ورق الٹئے آپ کو یہ عبارت ملے گی :

"حضرت علیؓ نے خلافتِ راشدہؓ کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لے کر کام شروع کیا۔ ابھی انہوں نے کام شروع کیا ہی تھا اور شورش برپا کرنے والے دو ہزار آدمیوں کی جمعیت مدینے میں موجود تھی کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما چند دوسرے اصحاب کے ساتھ اُن سے ملے اور کہا کہ ہم نے اقامتِ حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے۔ اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجئے جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا: "بھائیو جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی ناواقف نہیں ہوں، مگر میں اُن لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم اُن پر . . . . ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تاکہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں۔ خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق وصول کرنا ممکن ہو جائے۔ اس کے بعد یہ دونوں بزرگ حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے"

(ص ۱۲۸، ۱۲۹)

ملاحظہ فرمالیا ہے آپ نے، مولانا کا عائد کردہ الزام کس حد تک حقائق اور واقعات پر مبنی ہے۔

ج : ایک اور کرشمہ ملاحظہ ہو :

" وہ (حضرت معاویہؓ)، بہرحال خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر اُن کی خلافت کا انحصا

نہ تھا۔ لوگوں نے اُن کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے ؟؟

(خلافت وملوکیت صہ ۱۵۸)

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی لڑائی حضرت علی المرتضیٰؓ سے ہوئی اور اُس کی بنیاد خونِ عثمانؓ کا مطالبہ تھا نہ کہ دعویٰ خلافت واقعہ صفین کے بعد پھر کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ مولانا خود ہی رقمطراز ہیں۔

" انہوں نے (حکمین نے) یہ بھی غلط فرض کر لیا کہ حضرت معاویہؓ اُن کے کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر آئے ہیں حالانکہ اس وقت تک وہ صرف خونِ عثمان کے مدعی تھے نہ کہ منصب خلافت کے ؟؟

(خلافت وملوکیت صہ ۱۴۳)

اب سوچئے کہ جس وقت حضرت معاویہؓ لڑ رہے تھے تو خلافت کے مدعی نہ تھے اور جب خلیفہ بنے ہیں اُس وقت کوئی لڑائی نہیں ہوئی بلکہ اُن کی خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کا نتیجہ تھی تو اس الزام میں کس قدر صداقت پائی جاتی ہے جو مولانا مودودی نے بیک جنبشِ قلم ایک جلیل القدر صحابیؓ پر نہایت بے باکی سے لگا دیا ہے۔ یقین جانئے کہ اس قسم کے بیہودہ الزامات جن سے انہوں نے صحابہؓ کی عظیم شخصیتوں کو ملوث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے محض اُن کے ذہن کی تراش سے تیار ہوئے ہیں۔ حقائق اور واقعات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ پہلے تاریخ سازی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور اس کے بعد اُس کا فلسفہ لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔

میرے محترم! آپ سے جو مخلصانہ تعلق ہے، اُس کی بنا پر میں نے لکھا کہ

حتیٰ کہ آپ کے سوالات کے جواب آسان لفظوں میں دینے کی کوشش کی ہے اور آپ کے جذبات کو مدِ نظر رکھ کر خالصتاً افہام و تفہیم کا انداز اختیار کیا ہے انشاء اللہ کہیں آپ کو جدال و خصومت کے آثار نظر نہیں آئیں گے۔ امید ہے کہ آپ بھی غیر جانبدار ہو کر ان کا مطالعہ فرمائیں گے۔

قلمی بے راہ روی کا ایک نیا نمونہ

چند روز ہوئے، ایک اہلِ علم دوست نے ایک کتاب ہمیں دیکھنے کو دی، کتاب کا نام ہے۔ "میزان" اور اس کے مصنف یا مؤلف ہیں "جاوید احمد الغامدی" کتاب میں چند مضامین شامل ہیں جو مختلف عنوانات پر لکھے گئے ہیں، مصنف کا شوقِ اجتہاد تمام مضامین میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اِن حضرت کی مجتہدانہ صلاحیتوں پر تفصیلی گفتگو انشاء اللہ ہم کسی دوسری فرصت میں کریں گے۔ اِس وقت ہم ایک خاص مسئلہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ الموفق لما یُرید۔

کتاب میں "رجم کی سزا - اہم مباحث" کے عنوان سے چار مضمون شامل ہیں اور تیسرا مضمون غامدی صاحب کے قلم سے نہیں، بلکہ اُن کے استاد صاحب کا رقم فرمودہ ہے، غامدی صاحب تمہید میں لکھتے ہیں :

"اِس سوال کے جواب میں، جو رائے اُستاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر "تدبرِ قرآن" میں دی ہے، مجھے اس سے پُورا اتفاق ہے۔ اسی وجہ سے اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے میں آں محترم کی یہ تحقیق یہاں شائع کر رہا ہوں"۔ (اھ)

مولانا امین احسن اصلاحی ـــــ قطع نظر اِس سے کہ اُن پر لفظ "امام" کا اطلاق درست ہے یا نہیں ـــــ علمی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت کے مالک ہیں، عرصہ دراز تک وہ مولانا مودودی کے دستِ راست رہے اور بطورِ وکیلِ صفائی اُن کی طرف سے دفاع کا فریضہ انجام دیتے رہے، بعد میں اُن سے الگ ہو گئے، جب محمد ایوب خاں کے مقابلہ میں مس فاطمہ جناح صدارت کی امیدوار بن کر میدان میں آئی تھیں تو مولانا مودودی مرحوم کے زبردست حامی تھے اور

مولانا امین احسن نے ایک نہایت معرکۃ الآرا مقالہ لکھ کر ایوبی محاذ کو تقویت پہنچائی تھی۔ راقم السطور مولانا کے بارے میں ہمیشہ خوش فہمی اور حُسنِ ظن سے کام لیتا رہا۔ برسوں ماہنامہ "میثاق" کا خریدار رہا۔ مولانا کی تفسیر تدبرِ قرآن تو کبھی راقم کے ذہن کو اپیل نہ کر سکی لیکن اُن کے دُوسرے مضامین سے استفادہ کرتا رہا۔ مگر وَاوَیلاَہُ! "نکلا ہے جو بھی نکلا، سو باون گز کا"۔ یہ شوقِ اجتہاد اور جذبۂ لَنْ تَرَانِی بھی عجب آفت ہے۔ جانے بحرِ علم کے کیسے کیسے شناور تھے جنہیں یہ شوق لے ڈُوبا۔ اِسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا:

لَا تَعْجَبُوْا بِاَحَدٍ حَتّٰی تَنْظُرُوْا — تم کسی کو دیکھ کر حیرت میں نہ پڑ جاؤ،

بِمَ یُخْتَمُ لَہٗ — یہاں تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ اس کا انجام

(تفسیر ابن کثیر) — کیونکر ہوتا ہے۔

حضرت حُذیفہؓ، ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور انہیں صَاحِبُ السِّرّ (رازدارِ نبوّت) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، فرمایا کرتے تھے:

"اے اہلِ علم! تم سیدھے رہو، اگر (خدانخواستہ) تم دائیں بائیں چلے گئے تو ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِیْدًا۔ گمراہ ہو کر تم بہت دُور ہو جاؤ گے" (بخاری)

اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"تین چیزیں اسلام کی بربادی اور زوال کا موجب ہیں ۱: عالم کی لغزش؛ ۲: منافق کا قرآن کو آڑ بنا کر جھگڑنا ۳: گمراہ کُن سرداروں کی حکومت۔" (دارمی)

امین احسن اصلاحی صاحب کی زیرِ نظر تحریر پڑھ کر، وَاللہِ العظیم، ڈر لگتا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ "مولانا" کا لفظ لگایا جائے۔ دل یہ چاہتا ہے کہ کوئی اہلِ علم بزرگ از راہِ خیر خواہی نہایت خلوصِ قلب اور دَرد کے ساتھ انہیں سمجھائیں کہ حضرت! بزرگ عمری میں آپ نے یہ کیا غضب ڈھایا ہے کہ بخاری اور دیگر صحاح ستّہ کی روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے، بلکہ دیانت کا خون کر کے، آپ نے ایک صحابیِ رسُول کو "گنڈا"، "بدمعاش"، "بدخصلت"، "بدبخت"،

اور "منافق" ثابت کرنے پر سارا زورِ قلم صَرف کر دیا ؛ اپنا بھی ستیاناس کیا، اوروں کا بھی بیڑا غرق کیا۔

صاحبِ موصوف، اب عُمر کے اُس حصّے میں پہنچ چکے ہیں کہ آدمی کے مزاج میں چڑچڑاپن اور ہٹ کا مادہ نقطۂ عُروج پر پہنچ جاتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ گذارشات اُن کے دِل و دماغ کو نرم کر سکیں گی، بہرصُورت كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ کے وِزر سے بچنے کے لئے ہم نے سُطورِ ذیل لکھنے کی جُرأت کی ہے ــــ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ؕ

اصل واقعہ :

عہدِ رسالت میں ایک شخص (حضرت) ماعز اسلمی رضؓ سے جُرمِ زنا کا صَدور ہو گیا تھا۔ یہ بات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور خود اُنہوں نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے جُرم کا اقرار کیا جس کے بعد آنحضورؐ کے حکم پر انہیں حَد لگائی گئی۔ اُنہیں سنگسار کیا گیا۔

یہ واقعہ حدیث کی تمام کتابوں میں موجُود ہے اور تواتر سے ثابت ہے۔ شارحینِ حدیث بھی اس کا متواتر ہونا بیان کرتے ہیں اور صاحبِ فتاویٰ حامدیہ نے احادیثِ متواترہ کو جمع کر کے ایک رسالہ "الصلوٰۃ الفاخرۃ بالاحادیث المتواترۃ" کے نام سے مُرتب کیا ہے۔ اُس میں ص : ۵۰ پر اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن جہاں تک اس واقعہ کی تفصیلات کا تعلّق ہے تو وُہ اخبارِ آحاد میں آئی ہیں اور ان میں بظاہر کہیں کہیں اختلاف نظر آتا ہے۔ ہم ان تفصیلات کا س جانے سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ اصلاحی صاحب کے چند جُملے یہاں نقل کر دیں۔ حضرت ماعز رضؓ کے بارے میں وُہ لکھتے ہیں :

۱ ــــ "اس شخص کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں اُن میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے بعض روایات سے معلُوم ہوتا ہے کہ بڑا بھلا مانس تھا اور

بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا تھا...... میں اُن روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن میں اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بناء پر یہ مستحق رجم ٹھہرا۔" ص : ۱۷۶

۲ —— "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی، لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا اس وجہ سے آپ نے کوئی اقدام نہ کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آگیا۔ آپ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی، اس وجہ سے اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔"

۳ —— "ماعز نے بھلے مانسوں کی طرح خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا بلکہ وہ اپنے قبیلے والوں کے اصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس توقع پر آیا کہ خود حاضر ہو جانے سے غالباً وہ کسی بڑی سزا سے بچ جائیگا۔ حضور کو اُس کے جرم کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اور اُس نے آپ کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں اقرارِ جرم کیا۔"

۴ —— "اس کا کردار ایک نہایت "بدخصلت گنڈے" کا کردار تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر یہ "جنس زدہ بدمعاشوں" کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا۔" ص : ۱۷۷

۵ —— "بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا تھا جس طرح بکرا بکریوں کا کرتا ہے۔"

۶ —— "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی مغفرت کے لئے دعا کی نہ اُس کا جنازہ پڑھا۔ جو اس بات کی شہادت ہے کہ اُس کو "کٹر منافق" قرار دیا گیا۔" ص ۱۷۷

آہ! کس قدر جفا کار ہے وُہ قلم، جو شرافت اور حیا کے تمام تقاضوں کو نظرانداز کر کے اس طرح بے باکانہ ایک صحابیِ رسول کے بارے میں غلیظ اور نجس الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کتنا بددیانت، خوفِ خدا سے محروم اور حیا باختہ ہے وُہ مُصنّف، جو روایاتِ صحیحہ کو یکسر نظرانداز کر کے اشہبِ قلم کو اس طرح بے لگام چھوڑ دیتا ہے۔ کیا وقت کے "امام" نے حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ ،	میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے
اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ	ڈرتے رہنا، پھر سن لو، میرے اصحاب
لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا	کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا،
مِنْ بَعْدِیْ ـــــ	میرے بعد اُن کو نشانہ نہ بنالینا۔

ایک طرف حضورؐ کی وصیت ہے، دوسری طرف آپ کی یہ "علمی تحقیق" اِکسی عدالت میں فوجداری مقدمہ پیش ہوتا ہے تو ملزم کو صفائی کا پُورا موقع دیا جاتا ہے، عدالت اس کے گواہوں کو بغور سنتی ہے لیکن آپ پیغمبرِ خدا کے صحابی کے برخلاف فردِ جرم مُرتب کر کے یکطرفہ فیصلہ سنا دیتے ہیں۔

آئیے! اب ہم اقتباساتِ بالا کے مختلف اجزاء پر الگ الگ گفتگو کرتے ہیں۔

روایات کا تعارض:

اصلاحی صاحب نے سب سے پہلے تو قارئین کو "روایات کے تعارض" کا ہوّا دکھلا کر پریشان کرنا چاہا۔ واقعہ یہ ہے کہ زیرِ نظر قصہ میں کوئی ایسا اہم تعارض نہیں پایا جاتا جس کو "عجیب قسم کے تناقض" قرار دیا جا سکے۔ یہ محض اصلاحی صاحب کی اپج ہے۔ ثانیاً، اگر واقعی ایسا کوئی تعارض پایا جاتا ہے تو دیکھنا چاہیے کہ سلف محدثین، شارحینِ حدیث، جو چودہ سو سال سے مفسّرین، فقہاء اور علماءِ اُمّت نے ان روایات سے وُہ نتائج اخذ کئے ہیں، جن تک

اصلاحی صاحب کا ذہن رسا پہنچا ہے؟ اگر اُن میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کہا۔ اور یقیناً ایسا نہیں کہا تو ہم اصلاحی صاحب سے عرض کریں گے۔

ع : سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست!

اُصولِ حدیث کی تمام کتابوں میں یہ قاعدہ مُسلَّمہ لکھا ہُوا ہے کہ اگر ایک ہی واقعہ یا مسئلے کے متعلق روایات میں بظاہر اختلاف نظر آئے تو جہاں تک ممکن ہو اُن میں تطبیق اور توفیق کی صورت پیدا کی جائے۔ جہاں ایسا کرنا ممکن نہ ہو وہاں پر ترجیح یا نسخ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ حضرت ماعزؓ کے متعلق واقعہ کی تفصیلات میں جہاں تھوڑا بہت تعارض نظر آتا ہے وہاں بھی مُحدّثین حضرات نے اِسی قانون سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے نقل کریں گے۔ مگر اصلاحی صاحب نے اِن اکابرِ اُمت کی تصریحات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا کردار:

اِصلاحی صاحب نے تو حضرت ماعزؓ کو "بدخصلت گنڈا" اور "بدمعاش" تک کہہ دیا اور اُن کا سراپا جن لفظوں میں بیان کیا ہے، وہ آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں۔ لیکن اُن کو عادی مجرم ثابت کرنے کے لئے وُہ کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی نقل نہیں کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ وُہ اس بارے میں جو کچھ کہہ سکے ہیں وُہ یہ ہے :

"میری رہنمائی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو رجم کی سزا دلوائی۔"

فلسفۂ شریعت کے اِس ماہر سے کوئی پُوچھے تو، حضرت! جب تک کسی مجرم کا عادی مجرم ہونا ثابت نہ ہو جائے کیا وُہ سزا کا مستحق نہیں بنتا؟ اگر ایک شخص پرہیزگار اور حلال خور ہے لیکن کسی موقع پر لالچ یا ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر اُس نے چوری کرلی اور جُرم ثابت ہو گیا تو کیا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا؟ اور جب ہاتھ کاٹ لیا تو یہی کہا جائے گا کہ صاحب،

یہ بڑا اُچکّا اور لفنگا تھا، جب بھی اسے موقع ملتا تھا لوگوں کے مال پر ہاتھ صاف کرلیتا تھا۔ ایک شخص نیک کردار ہے لیکن کسی سے اُس کی توتکار ہوگئی اور وہ بے قابو ہوگیا۔ دھار دار آلہ اُٹھایا اور مدِ مقابل کو خاک و خون میں ملا دیا تو کیا وہ مستوجبِ سزا نہ ہوگا ——— ؟ کتنی بودی اور بے وزن ہے یہ دلیل کہ چونکہ فلاں آدمی کو فلاں جرم میں عدالت سے سزا ہوئی تھی اس لئے معلوم ہوا کہ وہ پکا لوفر، لفنگا، لُچّا اور بدمعاش ہے۔ بدمعاشی اس کا شب و روز کا مشغلہ ہے قارئین اس نکتہ کو بخوبی ذہن نشین رکھیں کہ کسی شخص کے بارے میں اِتفاقیہ جرم کا ثابت ہوجانا اور بات ہے اس کا عادی مجرم ہونا اور چیز ہے۔ حضرت ماعز رضؓ کے بارے میں جو کچھ روایات میں آیا ہے۔ وُہ اتفاقاً اُن سے جرمِ زنا کا سرزد ہونا ہے۔ معاذ اللہ کسی روایت سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ :

"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو یہ پیچھے سے دُبک دُبک کر بیٹھا رہتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہو دُوں، بیٹیوں کا تعاقب کرتا" میزان ۱۷۶

اس کے برعکس ابوداؤد اور مسند احمد کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محض ایک اِتفاقی واقعہ تھا، روایت ملاحظہ کریں :

"نعیم بن ہزّال کہتے ہیں کہ ماعز بن مالک یتیم ہو کر میرے والد (ہزال کی) پرورش میں تھے۔ فَأَصاب جاریة من الحی۔ وُہ قبیلے کی ایک عورت سے بدی کا ارتکاب کر گزرے۔" (اھ)

ویسے بھی سوچنے کی بات ہے کہ اصلاحی صاحب کا یہ کہنا کہ :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسکی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں نہیں آیا تھا اس وجہ سے آپ نے کوئی اقدام نہیں کیا" میزان ص : ۱۷۶

کتنا غلط ہے۔ کیا اسلام میں "حد" سے ورے "تعزیر" کے نام سے سزا کی کوئی قسم نہیں ہے جو جُرم کے آخری حد سے پہنچنے سے پہلے مجرم کو دی جا سکتی ہو؟ — کیا خیر القرون کے لوگ بھی بھسڈی اور بے غیرت تھے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) کہ ایسے بدقماش لوگوں کو برداشت کر لیتے تھے؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں تو پھر اصلاحی صاحب کو اس ہرزہ سرائی کے لئے اللہ سے معافی مانگنی چاہیئے جس کی زد صرف حضرات صحابہؓ پر ہی نہیں بلکہ خود شانِ رسالتؐ پر پڑتی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کو مُسلم شریف کی اس روایت سے شبہ گزرے جو اصلاحی صاحب نے اس موقع پر نقل کی ہے۔ ہم یہاں پر وہ روایت اصلاحی صاحب کے ترجمہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور پھر بتائیں گے کہ اصلاحی صاحب نے قارئین کو کیونکر دھوکہ دیا ہے — یا — اُنہیں کیونکر دھوکہ لگا ہے۔

.... قال: ثمّ قام رسول	راوی بیان کرتے ہیں کہ اُسی دِن
الله صلی الله علیه وسلم	عصر کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم
خطیبا من العشی	نے خطبہ دیا اور فرمایا: کیا ایسا نہیں
فقال أوَ كلما انطلقنا	ہوتا تھا کہ جب کبھی ہم جہادِ فی سبیل اللہ
غزاة فی سبیل الله تخلف	کی غرض سے نکلتے تھے تو ایک شخص
رجل فی عیالنا له	پیچھے ہمارے اہل و عیال میں رہ جاتا تھا
نبیب كنبیب التیس:	جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح
علیّ أن لا أوتی	ممیاتا تھا۔ سُنو، مجھ پر لازم ہے کہ اس
برجل فعل ذلك الا	طرح کی حرکتیں کرنے والا کوئی شخص میرے

نکلت بہ قال :	پاس لایا جائے تو میں اس کو عبرتناک
فما استغفر لہ	سزا دوں ۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ
ولا سبہ ـــــــ	آپ نے نہ اس کے کیلئے مغفرت کی اور نہ
(صحیح مسلم کتاب الحدود)	اسے بُرا کہا ۔

اس سلسلہ میں ہم عرض گزار ہیں کہ :

(الف) :۔ دھوکہ یہاں سے لگتا ہے کہ روایت کے خط کشیدہ الفاظ کو کھینچ تان کر حضرت ماعزؓ پر منطبق کر دیا گیا ہے ۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ خطبہ دینے کا ذکر مسلم شریف میں بھی ہے اور ابو داؤد شریف میں بھی ۔ ایک روایت حضرت جابرؓ بن سمرہ سے منقول ہے جو دونوں کتابوں میں موجود ہے اور دوسری روایت حضرت ابو سعید خدریؓ سے ہے جو صرف مسلم میں ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں "خلف احدھم" کے لفظ آتے ہیں ۔ مگر یہ لفظ نقل کرتے تو شاید اصلاحی صاحب کو ترجمہ میں " ایک شخص پیچھے رہ جاتا تھا ۔" کہہ کر اپنا مطلب نکالنا مشکل ہو جاتا ۔

(ب) یہ روایت کے لفظ خواہ کچھ بھی ہوں ، اصل دھوکہ تو ترجمہ کے خط کشیدہ لفظوں سے لگتا ہے ، جو بالکل غلط ہیں ۔ بات سمجھنے کی کوشش کیجیے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب بھی کوئی اہم واقعہ پیش آتا تو موقع محل کی مناسبت سے آپ اُمّت کو پند و نصیحت فرماتے تھے ۔ اب یہ ضروری نہیں کہ وعظ و نصیحت کے ہر جملہ میں پیش آنے والے کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو ۔ مثال کے طور پر سورج گہن ہوئی ، آنحضورؐ نے صلوٰۃ الکسوف ادا فرمائی اور اس کے بعد ایک خطبہ دیا ، جس میں ارشاد فرمایا :

"سورج اور چاند گہن نہ تو کسی کے مرنے سے لگتا ہے ، نہ کسی کے جینے سے ....
اے اُمتِ محمد ! اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے کہ اس کا بندہ یا باندی زنا کا ارتکاب کرے ۔"

اس موقع پر یہ ارشاد فرمانا تو واقعات کی بنیاد پر تھا کہ "سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا " کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسا سمجھتے تھے ، مگر آگے یہ جو ارشاد فرمایا

وَ لَا لَحِیوٰتِہٖ کہ گہن کا تعلق کسی کے جینے سے ہوتا ہے۔ تو اس کا تعلق کسی واقعہ سے نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ لِمَوْتِ اَحَدٍ کے ساتھ وَلَا لِحَیٰوتِہٖ کا پیوند تقاضائے بلاغت کے عین مطابق ہے۔

پھر خطبہ کا جو دُوسرا حصّہ ہے، یعنی زنا سے ترہیب، تو ظاہر ہے کہ اس روز کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جس کے تحت حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا، بلکہ محض اس وجہ سے کہ اس وقت دِلوں میں خوفِ خدا کے جذبات موجزن تھے، آپ نے عبرت دِلانا اور اس ملعون گناہ سے ڈرانا مناسب خیال فرمایا۔

اِسی طرح ایک مرتبہ حضورؐ نے اُمّت کو نصیحت فرمائی کہ تم سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے پیٹے جس طرح غلاموں کو مارا جاتا ہے کہ پھر دن کے آخر میں وہ ہم بستری کے لئے اُس کا محتاج ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص یُوں سمجھ لیتا ہے کہ فی الواقع عہدِ رسالت میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو مارا پیٹا اور شبِ تاریک نے اپنی زُلفیں بکھیریں تو وُہ حقِ زوجیت وصول کرنے کے لئے اس کے پاس پہنچ گیا، تو ایسا سمجھنے والا بلاشُبہ بڑا احمق اور نادان ہوگا۔

بات صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ہی بلیغ انداز میں مردوں کو سمجھایا کہ عورت مرد کے لئے جنسی تسکین کا سامان ہے اور اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ زوجین میں باہم الفت و محبت ہو۔ جہاں اس قسم کا تعلق ہو وہاں تشدّد اور بے جا سختی کا کیا کام؟

بعینہٖ جب زیرِ نظر واقعہ پیش آیا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اقدس پر بڑا اثر تھا۔ اس روز آپ نے ظہر کی نماز غیر معمولی حد تک طویل فرمائی کہ لوگ تھک گئے۔ (دیکھئے مصنّف عبدالرزاق)۔ عصر کے وقت آپؐ نے خُطبہ دیا جو تقاضائے وقت کے بالکل مُطابق تھا۔ اب منقولہ بالا حدیث کا صحیح ترجمہ سُنیے۔ ارشاد فرمایا:

"کیا یہ بھی کوئی بات ہے کہ جب ہم جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے چلے جائیں تو کوئی آدمی پیچھے ہمارے اہل و عیال میں رہ جائے اور شہوت کے جوش

میں بکرے کی طرح مِمیاتا پھرے۔"..... اھ

یہ ایک عام نصیحت ہے۔ نہ تو خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ کا نام لیا کہ وہ ایسا کرتا تھا، نہ صحابی یا بعد کے کسی راوی نے بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے یہ ارشاد ماعزؓ کے حق میں فرمایا تھا بلکہ اس کے برعکس مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ ہی سے ایک روایت منقول ہے جس میں صراحۃً بتایا گیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو حضرت ماعزؓ کے حق میں طعن و تشنیع کر رہے تھے۔ لیجئے آپ بھی یہ روایت پڑھ لیجئے :

..... قال فحمد اللہ و	(راوی حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے
اثنیٰ علیہ ثم	ہیں کہ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کی پھر
قال ما بال اقوام	فرمایا: اُن لوگوں کا کیا حال ہے، جو
سقطت علی ابی	ایک شخص کے منہ سے ایک بات کے
کلمۃٍ ۔	نکال دینے پر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے جب آنحضور ؐ نے صحابہ کرام پر نکتہ چینی اور حرف گیری کو ناپسند فرمایا تو کیونکر ممکن تھا کہ حضورؐ خود حضرت ماعزؓ کی اس طرح بُرائی کرتے۔

(ج) علاوہ ازیں صحیح بخاری اور ابو داؤد شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں ہے : فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیرا حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں : ای ذکرہ بجمیل یعنی حضورؐ نے اُن کا ذکر اچھے لفظوں میں فرمایا۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک طرف تو حضورؐ اپنے ایک غلام کا ذکر اچھے لفظوں میں فرمائیں دوسری طرف ایک خطبہ ارشاد فرما کر اُس کی بدکرداری کا پرچار کریں۔ حضرت جابرؓ کی اس روایت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کا مصداق حضرت ماعزؓ کو قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(د) دوسری روایات سے قطع نظر کرتے ہوئے خود اسی خطبے والی روایت پر غور کیجئے

اس کے آخر میں ہے ولاسبّہ "اور نہ اُسے بُرا بھلا کہا۔" (ترجمہ اصلاحی صاحب) اگر خطبے میں حضرت ماعزؓ ہی کا کردار بیان کیا گیا ہے کہ وُہ مردوں کی عدم موجودگی میں عورتوں کے پیچھے بھاگا بھاگا پھرتا تھا جس طرح کہ بکرا بکریوں کے پیچھے پھرتا ہے تو بتایئے اس سے زیادہ کسی کی بُرائی کیا ہوسکتی ہے؟ پھر ولاسبّہ کا کیا مطلب ہُوا؟

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت ماعزؓ کے عادی مجرم ہونے کا کوئی نشان کہیں سے نہیں ملتا تو یہ شرافت کی کون سی قسم ہوگی کہ چودہ سو سال کے بعد کا ایک مصنّف خواہ مخواہ ایک صحابیٔ رسولؐ کو بدمعاش اور گنڈا ثابت کرنے پر تُلا ہُوا ہے؟

ع ؎ بریں عقل و ہمّت بباید گریست

حضرت ماعزؓ دربارِ رسالت میں کیسے پہنچے؟

ہم نے اُوپر اصلاحی صاحب کے مضمون سے جو اقتباسات دیئے ہیں اُن میں اقتباس نمبر ۲ اور نمبر ۳ کو دوبارہ دیکھئے، وُہ اس پر مُصر ہیں کہ اوّلاً، ماعزؓ نہ تو کوئی بھلے مانس آدمی تھے کہ از خود انہیں اپنے جرم پر ندامت ہوتی اور نہ وُہ از خود دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے بلکہ وہ اپنے قبیلے والوں کے اصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔

ثانیاً، وُہ یہ اُمید لے کر گئے تھے کہ اس طرح سزا سے بچ جائیں گے۔

ثالثاً، خود حضورؐ کی پوچھ گچھ ایسے سخت انداز کی تھی کہ ماعزؓ کو اعترافِ جرم کے بغیر کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔

روایاتِ حدیث اور ائمۂ دین کی تصریحات کے مطابق یہ تینوں باتیں غلط ہیں۔ ہم قدرے تفصیل سے ان پر کلام کرتے ہیں۔

حضرت ماعزؓ کا واقعہ کتبِ حدیث میں کم و بیش بارہ صحابۂ کرامؓ سے منقول ہے اور صحیح بخاری وغیرہ کے مطابق اکثر حضرات اتی اور جاءَ کے لفظوں سے بیان کا آغاز

کرتے ہیں، یعنی یہ کہ حضرت ماعزؓ خود ہی آئے۔ حضرت بُریدہؓ جو ماعزؓ کے ذات بھائی یعنی قبیلۂ اسلم ہی کے ایک فرد ہیں، اُن کی روایت مسلم شریف میں موجود ہے کہ ماعز بن مالک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجئے۔ الخ موطا امام مالک میں ہے کہ وہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ اُن سے جرم سرزد ہوگیا ہے۔ حضرت صدیقؓ نے پوچھا، کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا؟ کہا، نہیں! تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اللہ کے سامنے توبہ کرو، اللہ نے تم پر پردہ ڈالا ہے تو تم پردہ میں رہو، کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ مگر ماعزؓ کے دل کو قرار نہیں آیا، وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی حضرت ابوبکرؓ جیسا مشورہ دیا۔ پھر بھی اُن کے دل کو قرار نہ آیا، حتیٰ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

جس چیز کو اصلاحی صاحب "قبیلہ والوں کا اصرار" کہہ کر بات کا بتنگڑ بنا رہے ہیں اُس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت ماعزؓ یتیم ہو کر ایک صحابی حضرت ہزّالؓ کے زیر کفالت تھے جب ماعزؓ سے اس گناہ کا صدور ہوا تو ہزّال نے اُن سے کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپؐ کو اسکی خبر دو، شاید آپ تمہارے لئے بخشش کی دُعا فرما دیں" ہزّال کا مقصد یہ تھا کہ شاید اس طرح پر کوئی راہ نکل آئے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: اے اللہ کے رسُول! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے، کتاب اللہ کا جو حکم ہو آپ مجھ پر نافذ کر دیں"......... (ابوداؤد شریف)۔ یہ روایت ہزّال کے صاحب زادے نُعیم نے بیان کی ہے اور اِسی ابوداؤد میں اُنہی نُعیم سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ جب ماعزؓ کو سنگسار کر دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزّالؓ سے فرمایا۔ "اگر تم پردہ پوشی سے کام لیتے تو تمہارے لئے بہتر تھا"

قصہ مختصر، حضرت ماعزؓ کو حضرات ہزّال نے مشورہ ضرور دیا تھا لیکن قبیلہ والوں کا اُن پر اصرار کوئی نہیں تھا۔ بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ انہیں راز کو راز رکھنے

کا مشورہ دیتے ہیں اور موطا امام مالک کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک حضرت ہزالؓ کو بھی اس بات کا کوئی علم نہیں ہُوا تھا یہ حضرت ماعزؓ کی شرافتِ نفس کا نتیجہ ہے کہ اُن سے گناہ سرزد ہو گیا تو دل کی بے قراری اُنہیں کبھی ورِ صدیق پرلے جاتی ہے، کبھی کاشانۂ فاروقؓ پر پھر بھی بے چینی ختم نہیں ہوتی۔ لپنے کفیل سے ذکر کرتے ہیں اور اُن کے مشورہ پر آستانۂ نبوت پر حاضری دیتے ہیں۔ دل میں ایک ہی تڑپ ہے کہ کسی طرح یہ گناہ دُھل جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ :

"جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہُوا اور اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اُس کے لئے کفارہ بن جائے گی اور جس نے کوئی گناہ کا کام کیا، پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو (اب اللہ کی مرضی ہے) اگر وہ چاہے تو اُسے بخش دے اور چاہے تو اُسے عذاب دے" (بخاری باب الحدود وکفارۃ)۔

صحابہ کا ایمان بڑا مضبوط تھا، اُن کے دلوں میں خوفِ خُدا تھا، اگر کبھی ہوائے نفس کے تقاضا سے مغلوب ہو کر کسی سے کوئی گناہ صادر ہو جاتا تو وہ فکرمند ہو کر فوراً تلافی کے لئے سوچتے کچھ ایسے ہی جذبات کا اظہار حضرت ماعزؓ نے دربارِ نبوت میں کیا تھا جن کو راویوں نے طَهِّرْنِي يَا رَسُولَ اللهِ —— اور —— أَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللهِ جیسے لفظوں سے تعبیر کیا ہے —— پھر خوفِ خدا کا کیا ٹھکانہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں پہلے دن واپس فرما دیتے ہیں، جبکہ وہ اس روز بھی دوبارہ لوٹ کر اعترافِ جرم کر چکے تھے، اگلے روز پھر واپس آتے ہیں اور اپنی وُہی استدعا پیش کرتے ہیں اور ایک دفعہ نہیں، بلکہ دو دفعہ —— جب چار مختلف مجالس میں وُہ اس طرح اقرارِ جرم کر چکے تو اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیقِ حال کے لئے مزید چند سوالات فرمائے، قارئین کی معلومات کے لئے چند سوالات مع جوابات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

سوال : ۱ —— کیا تم دیوانے ہو؟ —— جواب : نہیں۔

۲ —— کیا تم نے شراب پی رکھی ہے ؟ ——— جواب : نہیں ، مزید اطمینان کے لئے ایک آدمی نے اُٹھ کر اُسے سونگھا کہ کہیں اس سے شراب کی بُو تو نہیں آ رہی ؟

۳ —— کیا تم شادی شدہ ہو ؟ ——— جواب : جی ہاں ۔

۴ —— کیا ایسا تو نہیں کہ تم نے صرف بوس و کنار ——————— کیا ہو ؟ ——— جواب : جی نہیں ۔

۵ —— کیا تم اُس کے ساتھ ہم بستر ہوئے ؟ ——— جواب : جی ہاں ۔

۶ —— کیا تم نے اس سے مُباشرت بھی کی ؟ ——— جواب : جی ہاں ۔

۷ —— کیا تم آخری حد تک فعل کر گزرے ؟ ——— جواب : جی ہاں ، مَیں نا جائز طور پر اس کے ساتھ وہ کچھ کر گزرا جو مرد اپنی بیوی کے ساتھ جائز ——— طور پر کرتا ہے ۔

قارئین ان سوالات سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان سوالات سے مقصود ملزم کو شک کا فائدہ پہنچانا ہے کیونکہ شک پیدا ہو جانے سے "حد" ساقط ہو جاتی ہے ۔ زبردستی اقبالِ جرم کرانا مقصود نہیں ہے ۔ ذرا اندازہ تو کیجئے (ا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجرم کو بار بار واپس کر دیتے ہیں اور حضرت بُریدہ اسلمیؓ یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ (یعنی صحابہؓ) آپس میں یوں کہا کرتے تھے کہ اگر ماعز اسلمیؓ تین مرتبہ اقرار لینے کے بعد گھر میں بیٹھ جاتے اور پھر لوٹ کر حضورؐ کے پاس نہ آتے تو آپ اُنہیں نہ بُلواتے (مُسندِ احمد ، ابی داؤد) لیکن اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ آپؐ نے اُسے گھر سے بُلوا لیا تھا ۔

(ب) رؤف و رحیم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے غلام کو ان سوالات کے ذریعے شک کا مفاد پہنچانا چاہتے ہیں ، مگر اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ آپؐ نے نہایت تیکھے انداز میں پُوچھ گچھ کی جس کے بعد ماعز اعترافِ جرم پر مجبور ہو گیا ۔

آگے چلیے، حضورؐ نے اسی پوچھ گچھ پر بھی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ کتبِ حدیث کے مطابق ماعزؓ کی قوم کے پاس آدمی بھیج کر مزید دریافت فرمایا کہ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہے؟ اُنہوں نے کہا: یہ تو ہماری قوم کے عقلمند آدمیوں میں سے ہے۔ اس سلسلے میں آپ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت پڑھیے اور پھر — اصلاحی صاحب کی "امانت داری" کی داد دیجیے۔

...... فقالوا ما نعلم	انہوں نے کہا، اس کی عقل میں تو کوئی
به بأساً إلّا أنّه	خرابی نہیں ہے، صرف یہ بات ہے
أصاب شيئاً يرى	کہ اس سے ایک کام ایسا ہو گیا ہے
أنّه لا يخرجه منه	جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ
الا ان يقام فيه	جب تک اس پر اللہ کی مقرر کردہ حد
الحد لله۔	قائم نہ ہو جائے یہ اس کے وبال سے
(فتح الباری)	نہیں نکل سکتا۔

بتائیے! اس روایت کے بعد بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ اصلاحی صاحب کی "انکوائری رپورٹ" کو درست قرار دیا جائے۔ حاشا و کلّا!

مناسب معلوم ہوگا کہ ہم یہاں پر علماءِ اُمت کے چند اقوال بطورِ نمونہ نقل کر دیں تاکہ قارئین مزید یہ دیکھ لیں کہ: "من چہ می سرایم و طنبورہ من چہ می سراید"۔

۱ — حافظ الدنیا علامہ ابن حجرؒ عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث	اس حدیث سے جو فوائد (مسائل)
من الفوائد منقبة	نکلتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے
عظيمة لماعز ابن	کہ حضرت ماعز بن مالکؓ کی بڑی
مالك لانه استمر	تعریف و توصیف نکلتی ہے کہ وہ توبہ
على طلب اقامة الحد	کر لینے کے باوجود حد قائم کرنے

عليه مع توبته ليتمّ تطهيره ولم يرجع عن إقراره مع أن الطبع البشري يقتضي أنه لا يستمر على الإقرار بما يقتضي ازهاق نفسه فجاهد نفسه على ذالك وقوي عليها وأقرّ من غير اضطرار إلى اقامة ذالك بالشهادة مع وضوح الطريق إلى سلامته من القتل بالتوبة (فتح الباری)

کے مطالبہ پر قائم رہے تاکہ وہ پوری طرح گناہ سے پاک صاف ہو جائیں اور اپنے اقرار سے باز نہ آئے، حالانکہ انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز جان کنی کا موجب بنتی ہو، اس کے اقرار پر ڈٹ نہ جائے، مگر انہوں نے اس بارے میں مجاہدۂ نفس سے کام لیا اور وہ اس پر غالب آکر رہے۔ انہیں کوئی مجبوری نہیں تھی کہ بار بار جرم کا اعتراف کر کے حد قائم کرالیں، نیز اُن کے سامنے توبہ کر کے قتل سے بچ جانے کا راستہ موجود تھا، اس کے باوجود انہوں نے اقرارِ جرم کر لیا۔

۲ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: (اختصار کے پیشِ نظر ہم یہاں پر صرف ترجمہ نقل کرتے ہیں)۔

"اگر یہ کہا جائے، اس کی کیا وجہ ہے کہ ماعز اسلمی رض اور غامدیہ نے توبہ پر اکتفاء نہ کیا، حالانکہ اس سے بھی ان کی غرض پوری ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ گناہ ساقط ہو جائے، بلکہ یہ دونوں گناہ کے اقرار پر مُصر رہے اور انہوں نے سنگسار ہونے کو ترجیح دی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدود کے ساتھ تو بری الذمہ ہو جانا اور گناہ کا ساقط ہو جانا

ہر حال میں یقینی ہے خصوصاً وہ خدّبہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قائم ہو رہ گئی توبہ، تو اس کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ توبۂ نصوح (پرخلوص) نہ ہو اور اس کی شرائط میں سے کوئی پوری نہ ہو، تو اس صورت میں معصیت اور اس کا وبال باقی رہ جائیں گے اس لئے انہوں نے چاہا کہ شک والی صورت کو چھوڑ کر یقینی صورت سے برات حاصل کریں — واللہ اعلم "

۳ امام عبدالبر اندلسی "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں حضرت ماعز کے حالات میں فرماتے ہیں :

وھو الذی اعترف	یہ وُہی ہیں جنہوں نے صدقِ دل
علی نفسہ بالزنا تائبًا	سے توبہ کرتے ہوئے اور اللہ کیطرف
منیبًا ———	رجوع کرتے ہوئے اپنے متعلق جرمِ
———	زنا کا اقرار کر لیا تھا۔

علماءِ اُمت کی اس قسم کی تصریحات کتابوں میں موجود ھیں۔ اگر اصلاحی صاحب یا غامدی صاحب کی نگاہیں ان تک نہیں پہنچیں تو وہ اپنی خیرہ چشمی کا علاج کرائیں۔ اس میں چشمۂ آفتاب کا کوئی قصور نہیں۔

فائدہ :

ہم یہاں پر ایک نکتہ کی تفصیل میں تو نہیں جا سکتے، البتہ اسکی طرف اشارہ کر دینا مُناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہ حضرات صحابہ کرام اگرچہ معصوم نہیں تھے، یہ بھی درست ہے کہ بشریت کے تقاضے ان کے ساتھ تھے، اس کے باوجود وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے لفظوں میں أبرُّ الأمّۃ قلوبا ..... اختارھم اللہ

بصحبة نبيّه ولاقامة دينه ——— کا مصداق تھے۔ یعنی
"اُمّت میں سب سے زیادہ پاک نہاد، اللہ نے انہیں اس غرض سے لئے چُن لیا تھا کہ وہ اس کے نبی کے رفیقِ کار ہوں اور اس کا دین قائم کرنے کی ذمّہ داری سنبھالیں۔"

اگر آپ نگاہ کو اور بلند لے جائیں تو شاید کہنا غلط نہ ہوگا کہ عہدِ رسالتؐ میں اس قسم کے جو اِکّا دُکّا واقعات پیش کئے گئے تھے، اُن سے قدرت کو آنے والی نسلوں کے لئے اُسوہ اور نمونہ پیش کرنا مقصود تھا۔ شاید عہدِ رسالت میں اگر رجم کا کوئی واقعہ پیش نہ آتا تو بعد میں اُمت کو حیلے بہانے ڈھونڈنے کا موقع مل جاتا۔ کسی شاعر نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا ؎

مجھ سے دُنیا نے درسِ ہوش لیا
مَیں گرا، وہ سنبھل گئی ساقی

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ :

اِصلاحی صاحب رقمطراز ہیں :

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مغفرت کے لئے نہ دعا کی نہ اُس کا جنازہ پڑھا۔" اھ

بیشک کتبِ حدیث میں ایسی روایتیں موجود ہیں، لیکن اُن کے مقابلہ میں وہ روایتیں بھی موجود ہیں جن میں نمازِ جنازہ ادا کئے جانے کی تصریح موجود ہے۔ ہم یہاں پر وہ روایتیں نقل کرتے ہیں۔

۱ ——— صحیح بخاری شریف حضرت جابر رضؓ کی روایت کے آخر میں ہے :

فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیرا وصلّی علیہ۔	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں خیر کے کلمے ارشاد فرمائے اور اُن کی نمازِ جنازہ ادا کی۔

(بخاری ص ۱۰۰۸ ج ۲، طبع مجتبائی)

۲ ——— مصنف عبدالرزاق میں ابی اُمامہ بن سہل بن حُنیف انصاری سے ایک روایت میں ہے کہ جس دن حضرت ماعزؓ کو سنگسار کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے؟ فرمایا، نہیں! جب اگلے روز ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکی نمازِ جنازہ پڑھی اور لوگوں نے بھی۔

(مصنف عبدالرزاق، ج: ۷، ص: ۳۲۱)

انہی روایات کے پیشِ نظر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"جن روایات میں نمازِ جنازہ کی نفی آئی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس روز سنگسار کیا گیا تھا اُس دن جنازہ کی نماز ادا نہیں کی گئی اور جس روایت میں نمازِ جنازہ کا اثبات ہے اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورؐ نے دوسرے روز ادا فرمائی"

(فتح الباری)

یہی توجیہ علامہ عینی شارح بخاری اور دوسرے محدثین نے بھی بیان کی ہے۔

بلبس، بات صاف ہو گئی۔

اِس سلسلے میں ہم قارئین کو اس نکتہ کی طرف توجہ دِلانا چاہتے ہیں کہ اصلاحی صاحب کی یہ منطق کیسی نرالی ہے کہ وہ روایات میں سے چُن چُن کر اپنے مطلب کے الفاظ الگ کرتے ہیں اور جہاں روایت کا وہ حصہ آجاتا ہے جو اُن کے مفاد کو نقصان پہنچاتا ہے، وہ اُس کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ خود ہی حضرت جابرؓ سے نقل کرتے ہیں:

"میں سب لوگوں سے زیادہ اس بات سے واقف ہوں"

اور یہی حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کے حق میں کلمۂ خیر ارشاد فرمایا اور اُن پر نمازِ جنازہ ادا فرمائی، مگر یہاں وہ حضرت جابرؓ کی بات اَن سُنی کر کے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہر صورت، محدثین نے دونوں روایتوں میں مطابقت کی جو صورت بیان کی ہے وہ عرض کر دی گئی ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں :

یُوں تو توبہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام فرمان ہے :

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ	گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص
كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ	کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہیں۔

پھر اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا مرتکب ہو جائے جس کی وجہ سے اُس پر حدّ قائم ہو جائے تو وُہ حدّ اس کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، جیسا کہ بحوالہ حدیث بخاری پہلے گزر چکا ہے۔

اِن دو اصُولی باتوں کے علاوہ اگر کسی شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بشارت سُنا دیں تو پھر کسی مسلمان کے لئے گنجائش نہیں ہوگی کہ اُس شخص کے بارے میں کوئی بدزبانی کرے یا اُس کے حق میں کوئی توہین آمیز کلمات استعمال کرے۔ ہمیں سخت تعجّب ہے کہ اصلاحی صاحب نے اُن تمام روایات اور احادیث کو نظر انداز کر دیا جن میں حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بخشے جانے اور اُن کے جنتی ہونے کی بشارتیں موجود ہیں۔ ہم چند روایتیں یہاں نقل کرتے ہیں :

١- فامر به فرجم فكان	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کے بارے
الناس فيه فريقين	میں حکم دیا اور اُسے رجم کر دیا گیا تو
قائل يقول لقد هلك	لوگ اُس کے بارے میں بٹ گئے اُن
لقد احاطت به	میں سے ایک کی رائے تھی کہ اُس کی
خطيئته وقائل	شامت نے اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا

يقول ما توبة
افضل من توبة
ماعز انه جاء الى
رسول الله صلى الله عليه وسلم
فوضع يده فى يده
ثم قال اقتلنى
بالحجارة
قال : فلبثوا بذلك
يومين او ثلاثة ثم
جاء رسول الله صلى الله
عليه وسلم وهم جلوس،
فقال : استغفروا
لماعز بن مالك، قال
فقالوا غفر الله لماعز
بن مالك۔ قال : فقال
رسول الله صلى الله عليه وسلم
لقد تاب توبة لو قسمت
بين امة لوسعتهم۔
(صحیح مسلم / ص: ۶۰ ج: ۲)

تک کہ یہ ہلاک ہو گیا۔ اور کچھ لوگ
یوں کہتے تھے کہ ماعز کی توبہ سے بہتر
کوئی توبہ نہیں ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنا
ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے دیا
پھر کہا مجھے پتھروں سے مار ڈالیں۔
راوی کا بیان ہے ، دو یا تین
روز لوگ اس طرح رہ گئے پھر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور
وہ بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے
فرمایا : تم لوگ ماعز بن مالک کے
حق میں دعاءِ مغفرت کرو۔ راوی
کہتا ہے اس پر لوگوں نے کہا : اللہ
ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے ۔
راوی کہتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا : ماعز نے تو ایسی
(پُرخلوص) توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک
اُمت میں تقسیم کر دی جائے تو اُن
سب کو اپنے اندر سمو لے گی ۔

حقیقت یہ ہے کہ اصلاحی صاحب کی تردید کے لئے یہی ایک روایت کافی و افی ہے
اور قارئین کو یہ پڑھ کر بڑی حیرت ہو گی کہ اصلاحی صاحب نے اِس روایت کے خط کشیدہ

الفاظ اور اُن کا ترجمہ تو اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے مگر آگے کی ساری عبارت چھوڑ دی۔ کیا اسی کا نام دیانت ہے؟

۲۔ فسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلین من اصحابہ یقول احدھما لصاحبہ انظر الی ھذا الذی ستر اللہ علیہ فلم تدع نفسہ حتی رجم رجم الکلب فسکت عنھا ثم سار ساعۃ حتی مر بجیفۃ حمار شائل برجلہ فقال این فلان و فلان؟ فقالا نحن ذان یا رسول اللہ فقال: انزلا فکلا من جیفۃ ھذا الحمار فقالا یا نبی اللہ من یاکل من ھذا؟ قال: فما نلتما من عرض اخیکما آنفا اشد من اکل منہ والذی نفسی بیدہ انہ

اس واقعہ (رجم) کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو ایک دُوسرے سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اس بدبخت کو دیکھو اللہ نے اس کا پردہ ڈھانکے رکھا تھا لیکن اُس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ کُتّے کی طرح سنگسار کر دیا گیا۔ تو آپ خاموش رہے پھر کچھ دیر آپ چلتے رہے تا آنکہ آپ ایک مُردار گدھے کے پاس سے گزرے جس کی ٹانگ اُوپر کو اُٹھی ہوئی تھی تو آپ نے پوچھا فلاں فلاں آدمی کہاں ہیں؟ اُنہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں! تو آپ نے فرمایا: تم دونوں بیٹھ کر اس مُردار گدھے سے گوشت کھاؤ۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس سے کون کھا سکتا ہے؟ فرمایا: تو تم نے ابھی اپنے بھائی کی ہتکِ عزت کی ہے وُہ اس مردار کے کھانے

اَلْاٰنَ لفی	سے زیادہ بُری بات ہے۔ اُس ذات کی
انہار الجنۃ	قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے
ینغمس فیھا	یقیناً اَب وُہ بہشت کی نہروں میں
(سُنن ابوداؤد شریف)	غوطے لگاتا پھرتا ہے۔

چلیے، یک نہ شد دُو شد۔ یہ دُوسری روایت ہے جس کی نقل میں اِصلاحی صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اس کا خط کشیدہ حصہ مع ترجمہ (وہ بھی زیرِ خط کشیدہ) انہوں نے نقل کر دیا۔ انہیں سانپ سُونگھتا تھا کہ یہاں تک پہنچ کر اُنہوں نے "فل سٹاپ" دے دیا۔

مَوصوف کی قساوتِ قلبی، یا شقاوت ملاحظہ ہو کر، یہ جان لینے کے باوجود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے حضرت ماعزؓ کے بارے میں درشت لب و لہجہ اختیار کیا تو آنحضورؐ نے انہیں سختی سے ڈانٹ دیا۔ مگر "پندرھویں صدی کے امام صاحب" "ترجمہ میں" "بدبخت" کا لفظ بڑھا کر اُس درشتی میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؕ

ستم بالائے ستم یہ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ ماعزؓ بہشتی ہیں اور یہ صاحب اُنہیں کٹّر منافق قرار دے رہے ہیں۔ او ظالم! کچھ تو خوفِ خدا سے کام لیا ہوتا۔

اللہ ربّ العزّت نے منافق کا ٹھکانہ اَلدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّار بتایا ہے۔ اور زبانِ نبُوّت نے ہمیں آگاہ کر دیا کہ ماعزؓ بہشت میں ہیں تو کیا اب بھی کسی کو زبان درازی کا کوئی حق پہنچتا ہے؟

۳ —— حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں حضرت ماعزؓ کے بارے میں بشارت کی کئی روایات نقل کی ہیں مثلاً ایک یہ کہ کسی شخص نے اُن کے حق میں "خبیث" کا لفظ استعمال کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے روک دیا۔ ارشاد فرمایا: تم اسے خبیث

نہروں لھو أطیب عند اللہ من ریح المسك ۔ وہ اللہ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اُسے بخش دیا گیا ہے اور بہشت میں داخل کر دیا گیا ہے۔

حضرت جابرؓ سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

لقد رأیتہ یتخضخض فی انہار الجنۃ ۔

"میں نے اُسے دیکھا ہے کہ وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔"

عہدِ رسالت میں رجم کا دُوسرا اہم واقعہ جو پیش آیا، وہ قبیلۂ جُہَینہ کی شاخ بنو غامد کی ایک عورت کا ہے۔ اس سے بھی بدکاری کا جُرم سرزد ہو گیا جس کے نتیجے میں وہ حاملہ ہو گئی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور اقبالِ جُرم کر کے اُس نے حَد قائم کرنے کی درخواست کی۔

اب پہلے تو اس خاتُون کی وہ قلمی تصویر ملاحظہ ہو جو اصلاحی صاحب نے کھینچی ہے، پھر کچھ ہماری سُنیئے گا۔ اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں: :

۱ ——— "روایات کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی آزاد قسم کی عورت تھی جس کا نہ کوئی شوہر تھا، نہ سرپرست، جو اس کے کسی معاملہ کی ذمہ داری اُٹھانے کے لیے تیار ہوتا وضعِ حمل کی مُدت اس نے ایک انصاری کے ہاں گزاری۔ اس کے اقرار سے لے کر سزا کے نفاذ تک کسی موقع پر بھی اُس کے خاندان یا قبیلہ کا کوئی آدمی معاملہ کی کارروائی کے سلسلے میں سامنے نہیں آیا۔"

۲ ——— "اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بہت سی ڈیرے والیاں ہوتی تھیں جو پیشہ کراتی تھیں اور اُن کی سرپرستی زیادہ تر یہودی کرتے تھے جو اُن کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے۔ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد اُن لوگوں کا بازار سرد پڑ گیا لیکن اس قسم کے جرائم پیشہ آسانی سے باز نہیں آئے معلوم ہوتا ہے

کہ اسی قماش کے کچھ مرد اور بعض عورتیں زیرِ زمین یہ پیشہ کرتے ہے اور تنبیہ کے باوجود باز نہیں آئے۔ بالآخر جب وہ قانون کی گرفت میں آئے ...... آپؐ نے اُن کو رجم کرایا۔"

(میزان ص: ۱۹۱)

ہم اس عنوان کو طول دینا پسند نہیں کرتے لیکن بڑے دُکھ کے ساتھ قارئین کو یہ بتانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اصلاحی صاحب نے غامدیہ کے بارے میں بڑی دروغ گوئی، بُہتان تراشی اور بدگوئی سے کام لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "یہ ایک آوارہ عورت تھی جس کا کوئی سرپرست نہیں تھا اور مقدمہ کی کاروائی میں اس کے خاندان کا کوئی آدمی سامنے نہیں آیا۔" حالانکہ "صحیح مُسلم"، "ابوداؤد شریف"، "جامع ترمذی"، "مُسندِ احمد" "سُنن دارمی"، "دارقطنی"، "منتقی الاخبار"، بلوغ المرام"، "نیل الاوطار" اور دیگر معتبر کتبِ حدیث اور شروح میں تصریح موجود ہے کہ جب غامدیہ نے دربارِ رسالت میں حاضر ہوکر حد قائم کرنے کی درخواست کی تو :

دعا نبی الله صلی الله علیه وسلم	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس
ولیها فقال احسن	کے سرپرست کو بلایا اور اس سے
الیها فاذا وضعت	فرمایا کہ اس سے ٹھیک طرح برتاؤ
فأتنی بها	کرتے رہو۔ جب یہ بچہ جنے تو اسے
ففعل ـــــ	میرے پاس لے آنا چنانچہ اُس نے
ــــــــ	ایسا ہی کیا۔

امام نووی رحؒ (شارح مسلم) اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک طرح سے برتاؤ کرنے کا جو حکم فرمایا تھا، اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ رشتہ داروں سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ ازراہِ غیرت اُس کو کوئی نقصان پہنچائیں، تو آپؐ نے اُن لوگوں کو اس سے ڈرانے اور

باز رکھنے کے لئے یہ حکم فرمایا۔ دُوسرا یہ کہ وہ توبہ کر چکی تھی اور انسانی طبائع توابی عورت سے نفرت کرتی ہیں۔ باتوں باتوں میں لوگ طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں۔ حضور نے ازراہِ شفقت ٹھیک برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔" (مسلم مع شرح نووی ص ۶۹)

حقیقت تو یہ ہے کہ اصلاحی صاحب کی دروغ گوئی کا پردہ چاک ہو جانے کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم اقتباس ۱۲ کے بارے میں کچھ عرض کئے دیتے ہیں۔ خاکش بدہن، اصلاحی صاحب نے جو کچھ کہا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ تو عہد نبوت کے عمومی پاکیزہ کردار کے قائل ہیں، نہ حضرات صحابہؓ کے بارے ہیں اَدب و احترام کے تقاضوں سے کچھ آشنا ہیں۔ یہ کہنا کتنی گستاخی ہے کہ عہدِ رسالت کے پاکیزہ ماحول میں بھی چکلوں کا کاروبار چلتا رہا۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ !

اِس بات کا کوئی ثبوت نہ تو ذخیرۂ روایات سے ملتا ہے نہ تاریخ اسلام سے۔ یہ محض اور محض اصلاحی صاحب کے ذہن کی اختراع ہے۔ دینی کتب میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ خیر القرون میں فلاں شخص بدچلنی کا عادی مجرم تھا اور تنبیہ کے باوجود وہ باز نہیں آیا۔ بالآخر اسلامی حد نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہاں تفصیل کی گنجائش تو نہیں ہے، اجمالاً عرض کئے دیتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں جو بھی دو چار واقعات رجم کے پیش آئے ہیں وہ اتفاقی جرائم کے نتیجہ میں پیش آئے۔ اسی زیرِ نظر واقعہ کو دیکھئے، غامدیہ کے بارے میں کہیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا کہ وہ کوئی عادی، بدچلن اور فاحشہ عورت تھی بلکہ اس کے برعکس اتفاقاً اُس سے جرم سرزد ہو گیا جس کے بعد وہ انتہائی نادم ہوئی کوئی دُوسرا اسے پکڑ کر نہیں لایا۔ وہ خود ہی طَهِّرْنِي (مجھے پاک کیجئے) کی درخواست لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئی، جیسا کہ قارئین حضرت ماعزؓ کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔ ندامت اور خواستگاری حد کے وہی جذبات جو انہیں کھینچ کر حضورؐ کے دامانِ عفو میں پناہ جوئی کیلئے لے گئے تھے۔ وہی پاکیزہ اور معصوم جذبات یہاں بھی کارفرما ہیں ـــــ یہی تو وجہ ہے کہ غامدیہ پر حد قائم ہو گئی تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے۔ غیرتِ اسلامی کے پیکر جناب

فاروقِ اعظم رضؓ عرض گزار ہوئے، حضور! اس نے تو زنا کا ارتکاب کیا تھا اور آپ اس کی نمازِ جنازہ ادا فرما رہے ہیں؟ رؤف و رحیم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا "وہ تو اس درجہ کی توبہ کر چکی ہے کہ اگر اُسے اہلِ مدینہ میں سے ستر آدمیوں میں تقسیم کر دیا جائے تو انہیں کافی ہو جائے گی اور اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنی جان پر کھیل گئی (مسند ابوداؤد وغیرہ) اور مسندِ احمد میں تو یہاں تک موجود ہے۔

لو قسم اجرها بين	اگر اُس کا ثواب حجاز کے تمام باشندوں
اهل الحجاز وسعهم	میں بانٹ دیا جائے تو وہ سب کو کافی
(مسند احمد، ص: ۳۴۴، ج: ۵)	ہو جائے گا۔

ہم نہ تو اس بات کے مدّعی ہیں کہ حضرات صحابہ کرام معصوم تھے، نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُن سے غلطیاں سرزد نہیں ہوئی تھیں، ہمارا مدعا صرف اتنا ہے کہ اگر کسی شرعی مصلحت کے پیشِ نظر کسی صحابی کی کسی لغزش کا ذکر کرنا بھی ہو تو مقامِ صحابیت کا ادب ہر حال میں ملحوظ رہے۔ روایتِ حدیث پوری پوری بیان کی جائے اور احادیث میں جُرم کے ساتھ اس کی معافی یا توبہ کے متعلق جو کچھ منقول ہو، اس کو بھی لازماً ذکر کر دیا جائے تاکہ حضرات صحابہ کے بارے میں قارئین یا سامعین کا عمومی تأثر مجروح نہ ہو۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضؓ کے بارے میں اگر سوءِ ظن یا بے اعتقادی پیدا ہو جائے تو خود دینی ماخذ سے بے اعتقادی پیدا ہو جانے کا سخت اندیشہ ہے۔

آخر میں ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان نقل کر کے اپنی گزارشات کو ختم کرتے ہیں: ——————

لا تنظروا في	تم لوگوں کے گناہوں کو اس طرح نہ
ذنوب الناس	دیکھو کہ گویا تم اُن کے آقا ہو اور وہ
كانكم ارباب	تمہارے غلام ہیں، اور اپنے گناہوں
وانظروا في	کو اس انداز سے دیکھو کہ تم غلام ہو
ذنوبكم كانكم عبيد۔	(اور اپنے آقا کے سامنے جواب دہ)

، مقامِ صحابہؓ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں !

إنَّ اللهَ اخْتَارَنِي وَاخْتَارَ لِي أَصْحَابًا وَأَنْصَارًا، وَسَيَأْتِي قَوْمٌ يَسُبُّونَهُمْ وَيَنْتَقِصُونَهُمْ فَلَا تُجَالِسُوهُمْ وَلَا تُشَارِبُوهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوهُمْ (مرقاۃ المفاتیح)

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا اور میرے لئے ساتھیوں اور مددگاروں کو چن لیا۔ کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو انہیں برا بھلا کہیں گے اور اُن کی شان گھٹائیں گے تو تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ تو اٹھو بیٹھو رکھو، نہ اُن کے ساتھ کھانا پینا رکھو اور نہ اُن سے رشتے ناتے کرو۔

• إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا (جامع صغیر)

ترجمہ: جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو تم اپنی زبانوں کو روک لو۔

• إِنَّ شِرَارَ أُمَّتِي أَجْرَؤُهُمْ عَلَى أَصْحَابِي (مرقاۃ المفاتیح وکنوز الحقائق)۔

ترجمہ: میری امت کے بدترین لوگ وہ ہوں گے جو میرے اصحاب کے بارے میں دلیر ہوں گے۔

مناقب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

• لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيقٌ وَرَفِيقِي يَعْنِي فِي الْجَنَّةِ عُثْمَانُ (ترمذی شریف)

ترجمہ:- ہر نبی کا ایک رفیق خاص ہو گا اور میرے رفیق خاص یعنی بہشت میں عثمان ہوں گے۔

• أَلَا أَسْتَحِي مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ (مسلم شریف)

ترجمہ:- کیا میں اُس شخص کا لحاظ نہ کروں جس سے فرشتے شرماتے ہوں۔

• يَا عُثْمَانُ! لَعَلَّ اللهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيصًا، فَإِنْ أَرَادَكَ

اَلْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تَخْلَعَہٗ، فَلَا تَخْلَعْہُ لَھُمْ (ترمذی شریف)

ترجمہ: اے عثمان! شاید اللہ تعالیٰ تمہیں ایک لباس پہنائیں گے پھر اگر منافق چاہیں کہ تم وہ لباس اتار دو، تو تم اُن کی وجہ سے نہ اُتارنا۔

شانِ صحابہؓ اور علماءِ اُمّت

امام مسلمؒ کے استاد امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں!

اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق، وذلک ان الرسول حق والقرآن حق، وما جاء بہ حق، وانما ادّی الینا ذلک کلہ الصحابۃ، وھولاء یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ، والجرح بھم اولیٰ، وھم زنادقۃ (اصابہ ابن حجر عسقلانیؒ بحوالہ کفایہ خطیب بغدادی)

ترجمہ:۔ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی شان گھٹاتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق یعنی بے دین ہے اس لئے کہ رسول پاکؐ برحق ہیں، قرآن مجید برحق ہے، حضورؐ جو کچھ دین لے آئے وہ برحق ہے۔ اور یہ سب کچھ ہم تک صحابہؓ کے ذریعے سے پہنچا۔ یہ لوگ ہمارے گواہوں کو باطل کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کتاب و سنّت کو باطل کریں تو اُن کو مجروح قرار دینا بہتر ہے جب کہ یہ لوگ زندیق اور بے دین ہیں۔

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آرا کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از: حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے
دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت
پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔
حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام
فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور
شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح
نہیں لکھی گئی۔ یہ عظیم شرح خوبصورت ۲۴ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے جو تقریباً
سات ہزار صفحات پر مشتمل۔ قیمت کامل سیٹ ۱۹۰/- روپے

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ۔ ملتان
فون: 40501